جولائی 2002

ماہنامہ

اردو دنیا

نئی دہلی

دہلی میں اردو میڈیم تعلیم

- 1991 کی مردم شماری کے مطابق دہلی کے 5.45 فی صد لوگوں کی مادری زبان اردو ہے۔
- میونسپل کارپوریشن دہلی کے تحت 76 اردو میڈیم پرائمری اسکولوں میں 22,857 بچے زیر تعلیم ہیں۔
- دہلی کی اردو آبادی کے 60 فی صد سے زیادہ بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت سے محروم ہیں۔
- اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی تعداد 492 ہے۔ تناسب — ایک استاد پر تقریباً 67 طلبہ کی ذمے داری۔
- اساتذہ کے لیے اہلیت کی نشان دہی مختلف ذرائع تعلیم کی بنیادوں پر نہ ہونے کے سبب اردو میڈیم اسکولوں میں اردو جاننے والے اساتذہ کی قلت۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

محکمۂ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

پروگرام کمیٹی کی میٹنگ انڈیا انٹر نیشنل سینٹر، دہلی میں جناب محمد یوسف ٹینگ کی صدارت میں 6/اپریل 2002 کو منعقد ہوئی۔ تصویر میں (دائیں سے) جناب شاہ نورالحق قادری (صدر، آندھرا پردیش اردو اکادمی)، ڈاکٹر شیمار ضوی (وزیر برائے الیکٹرانکس، یوپی)، پروفیسر صغریٰ مہدی (سابق پروفیسر، جامعہ ملیہ اسلامیہ)، جناب گلزار (معروف ہدایت کار اور نغمہ نگار)، جناب محمد یوسف ٹینگ (صدر، پروگرام کمیٹی)، پروفیسر گوپی چند نارنگ (نائب چیئرمین، قومی اردو کونسل) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ (ڈائرکٹر، قومی اردو کونسل)

انسائیکلوپیڈیا، ہسٹریز اینڈ ریفرینس ورکس کے پینل کی میٹنگ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں 29/مئی 2002 کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوئی۔
تصویر میں (دائیں سے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر سید جعفر رضا، پروفیسر ابوالکلام قاسمی اور ڈاکٹر بیگ احساس۔

ماہنامہ
اردو دُنیا نئی دہلی

جلد۔4، شمارہ۔7: جولائی 2002

قیمت-/10روپے سالانہ -/100روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
معاون مدیر: ارجمند آرا

مشیر: مخمور سعیدی

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل محکمہ تعلیم۔ حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک۔1، ونگ-6
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی- 066 110
فون :6103381, 6103938
6179657 فیکس :6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد
دہلی۔110006

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066
فون:6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدر آباد 001 500 (A.P.)
فون:4615139

اس شمارے میں

آپ کی بات ....خطوط 2

ہماری بات ....اداریہ 5

مسلمانوں کا تشخص اور تعلیمی صورت حال (گیسٹ کالم) ....اطہر فاروقی 6

● دہلی میں اردو میڈیم تعلیم — قومی اردو کونسل کا سروے ....ادارہ 8

● کرناٹک میں اردو آبادی ....اے۔ آر۔ فہمی 15

● اردو تعلیم — تکرار کے متقاضی چند نکات ....انور پاشا 23

● اردو کا مستقبل اس کی تعلیم سے وابستہ ہے ....ثروت اقبال 26

● ارضی چونی کانفرنس کے دس سال ....تھیوڈور ڈبلیو۔ خیل 28

● سروپلی گوپال — ایک عظیم تاریخ داں ....کے۔ این۔ پانکر 30

گوشۂ ادب

● دودھ کا قیمت ....پریم چند 33

● ادیب اور ادبی تخلیق ....جگن ناتھ آزاد 37

گوشۂ فروغ کتب

● سرودیہ — نظریہ اور تحریک ....سید انوار الحق حقی، محمد ہاشم قدوائی 39

● اپنے حلوے مانڈے سے کام (فسانۂ آزاد سے اقتباس) ....رتن ناتھ سرشار 44

طلبہ کے لیے

● بزنس مینجمنٹ کی تعلیم اور اس کے اہم مراکز ....ایم۔ نسیم اعظمی 46

● ویڈیو ٹیلی کانفرنسنگ ....مصنف، حیدر آباد 49

● مائکرو سافٹ ورڈ ....عظیم صدیقی 51

● اردو ادب اقوال (کوئز) ....محمد خالد 54

اردو خبرنامہ ....ادارہ 58

تبصرہ و تعارف ....کتابوں پر تبصرے 73

● ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں / پروفیسر گوپی چند نارنگ .. مبصر: وسیم بیگم

● ہندستانی معیشت / الک گھوش ....مبصر: ملک راشد فیصل

● آف دی ریکارڈ / شاہد پرویز ....مبصر: کمال احمد صدیقی

● جلتا ہوا سیارہ / اختر یوسف ....مبصر: حسن مثنیٰ

● منظر موسم خواب / سیما فریدی ....مبصر: عبدالوحید واحد

● انتخاب کلام آغا شاعر قزلباش دہلوی / ڈاکٹر سید فیضان حسن ..... مبصر: تابش مہدی

● تحفہ / ڈاکٹر قیام نیر

● تمنا کا پہلا قدم / صفدر حسین

بچوں کا گوشہ

● کنول کا پھول ....محمد قاسم صدیقی 79

آپ کی بات

■ **پروفیسر مسعود حسین خاں، جاوید منزل، جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ**

"اردو دنیا" میرے پاس آتا ہے۔ مجھے ڈاکٹر اے آر فتیحی صاحب کے اردو کے متعلق مضامین (دو عدد) پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، دوسری ریاستوں کا بھی اسی طرح کا لسانیاتی تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مبارک باد۔

■ **جی ڈی چندن، G-46، جنگپورہ ایکس ٹینشن، نئی دہلی-110014**

قومی اردو کونسل میں عوامی ابلاغ و ترسیل کی اصطلاح سازی سے متعلق آخری ورک شاپ کے خاتمے کے ساتھ، اس پینل کے چیئرمین کی حیثیت سے میں یہ ضروری خیال کرتا ہوں کہ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں آپ کی جانب سے فراہم کردہ تعاون کا شکریہ ادا کروں۔ خصوصی طور پر کونسل میں ریسرچ اسسٹنٹ محترمہ مسرت جہاں نے جس اصول پسندی، لیاقت اور مستعدی سے اپنی ذمے داریوں کو بڑی لگن کے ساتھ نبایا اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ معاصر حالات کے تقاضوں کی روشنی میں اردو کے فروغ کے لیے ان کے جذبے نے مجھے کافی متاثر کیا۔

■ **محمد جلیل پاشاہ، چیئرمین کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر فار ویمین، 10-2-521 آصف نگر، حیدرآباد-28**

قومی اردو کونسل نے حیدرآباد کی خواتین کے لیے آل انڈیا اردو ایجوکیشنل کمیٹی کی نگرانی میں جو کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر قائم کیا ہے، اس کے قیام کے لیے ادارہ کونسل کا بے حد شکر گزار ہے۔ ہمارا یہ مرکز پوری ذمے داری کے ساتھ اپنی کارکردگی انجام دے رہا ہے۔ مرکز کا معائنہ جو سرکردہ شخصیات کر چکی ہیں ان میں گاندھی جی کی پوتی مسز تارا گاندھی بھٹا چارجی، معروف گاندھیائی سماجی کارکن مسز نرملا دیش پانڈے، حکومت ہند کے محکمہ تعلیم میں جوائنٹ سکریٹری مسز بیلا بنرجی، پرنسپل سکریٹری ہائر ایجوکیشن جناب جی۔ سدھیر اور ایڈیشنل سکریٹری محکمہ تعلیم جناب ایم اے قدوس وغیرہ شامل ہیں۔

یہ اطلاع "اردو دنیا" کے قارئین کے لیے باعث مسرت ہوگی کہ قومی اردو کونسل کے تعاون سے چل رہے اس کمپیوٹر تربیتی مرکز سے حیدرآباد کی سینکڑوں لڑکیاں مستفید ہو رہی ہیں۔

■ **اطہر رضوی، ہیڈن ویلی کورٹ، مسی سوگا، اونٹاریو، کینیڈا**

"اردو دنیا" مجھے ہر ماہ مل رہا ہے، اسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ ہر شمارے میں مضامین اور نگارشات کا انتخاب، ان کا موضوعاتی تنوع اور ان کا معیار یقیناً قابل ستائش ہوتا ہے۔ برصغیر سے باہر اردو کے پرستاروں کے لیے آپ کے رسالے کی نگارشات، معلوماتی خبریں اور اردو زبان کی ترویج و توسیع کی کارروائیاں روحانی تسکین فراہم کرتی ہیں۔

ہماری غالب اکیڈمی شمالی امریکہ کی ایک انتہائی فعال اور معروف ادبی انجمن ہے۔ میرے غریب خانے پر (میں نے اپنے بیسمنٹ میں "غالب کدہ" کی تشکیل کی ہے جو سقراط، فردوسی اور بوعلی سینا سے لے کر سردار جعفری اور پروین شاکر تک، کوئی تین سو تصاویر سے مزین ہے) گذشتہ 18 سال سے بیاد غالب سالانہ طرحی مشاعرہ ہوتا ہے جس میں برصغیر کے تقریباً تمام نامور شاعروں نے شمولیت کی ہے۔ غالب اکیڈمی نے اب تک چار تاریخی سمینار کرائے— اردو تہذیب کی قدریں، عالمی جوش سمینار، عالمی غالب سمینار اور عالمی سمینار۔ اب جولائی میں چار ملکوں پر منقسم (کینیڈا، امریکہ، جرمنی، انگلینڈ) انیس سمینار کروا رہی ہے جس میں ہندستان، پاکستان، یوروپ اور شمالی امریکہ سے اردو دانشوروں اور انیس شناس اساتذہ کی شرکت متوقع ہے۔

■ **ضمیر درویش، E-51-B، ریلوے کالونی نارتھ، مرادآباد**

"اردو دنیا" شمارہ بابت مئی 2002 باصرہ نواز ہوا۔ اس کے ٹائٹل پر اردو کتب کی نمائش و فروخت والی موبائل وین کی تصویر اس بات کی گواہ ہے کہ اردو کے فروغ کے سلسلے میں آپ کی کوششیں اچھی اور سچی ہی نہیں بلکہ عملی بھی ہیں۔ اس موبائل وین کی آمد کے بعد اس کے بارے میں جس طرح اردو داں طبقے میں تذکرے ہوئے اور اس کو جس طرح اہمیت دی گئی، اس کے لیے آپ کا ادارہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ آپ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ کسی کاز کے لیے سچی لگن اور لائق لیڈر شپ میسر آجائے تو کامیابی بڑھ بڑھ کر قدم چومتی ہے۔

آپ کا پرچہ یعنی "اردو دنیا" اتنی ساری اہم معلومات سمیٹ کر لاتا ہے اور تمام مشمولات میں اس قدر معلومات کا احاطہ ہوتا ہے کہ یہ جریدہ اپنے آپ میں ایک اہم دستاویز کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ میری گذارش ہے کہ اردو دنیا کو سنجیدہ قارئین سے وابستہ رکھتے ہوئے بچوں کے لیے کوئی پرکشش اور باتصویر پرچہ جاری کرنے کے بارے میں بھی غور فرمائیے کیوں کہ آپ اس پوزیشن میں ہیں کہ اردو کے لیے کافی کچھ کرسکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر اس طرح کا جریدہ برائے اطفال کونسل کی

طرف سے جاری ہوگا تو اُس کی اہمیت اور افادیت 'اردو دنیا' جیسے سنجیدہ رسالے سے کم نہیں آنکی جاسکے گی۔

خاص طور پر بچوں کے لیے کئی اچھے رسالے اردو میں نکل رہے ہیں۔ "اردو دنیا" کے چند آخری صفحے بھی بچوں کے لیے مخصوص ہیں۔ (ادارہ)

■ **ڈاکٹر رئیس احمد اعظمی، رئیس ہومیو کلینک، لال چوک، پرانی بستی، مبارکپور، اعظم گڑھ۔**

حسنِ اتفاق سے ایک روز میں پوسٹ آفس گیا۔ میری نظر "اردو دنیا" پر پڑی میں نے ڈاکیے سے کہا کہ یہ رسالہ مجھے چند روز کے لیے دے دیں؟ میں نے یہ رسالہ پڑھنا شروع کیا تو مجھے اتنا اچھا لگا کہ بیان سے باہر ہے۔ فوراً اس کا چندہ بھیجا مگر کئی ماہ بعد تک بیقراری رہی۔ تین ماہ بعد ایک ساتھ تین شمارے ملے۔ اس کا مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اتنا معیاری رسالہ میرے علم میں بہت دیر سے آیا۔ خیر، دیر آید درست آید۔

یہ رسالہ موجودہ دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس میں شامل مضامین پُر مغز اور افادیت پر مبنی ہوتے ہیں جو نہ صرف پڑھنے لائق ہیں بلکہ عمل کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خصوصیت مجھے یہ محسوس ہوئی کہ اس رسالے کے مطالعے سے مایوسی اور جمود ختم ہوتا ہے اور حوصلہ، امید، یقین اور تجسس پیدا ہوتا ہے جو میرے خیال میں بے حد اہم شے ہے۔ دعا ہے کہ آپ لوگ اسی جذبے سے کام کرتے رہیں اور ہم سب مستفیض ہوتے رہیں۔

■ **رضوان خاں، سکریٹری بزمِ اُردو، 96 شیخ سرائے سیتاپور-261001**

"اردو دنیا" مئی 2002 کے شمارے کا سرورق آپ کی فعالی کی غمازی کر رہا ہے۔ موبائل بس آپ کی Mobility کی علامت ہے۔ اُردو والوں کو اس چلتے پھرتے کتب خانے سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔

گیسٹ کالم کے تحت جناب زاہد علی خاں کا مضمون "فروغِ اردو اور رضاکار تنظیمیں" پسند آیا۔ دراصل اُردو کی رضاکار تنظیمیں ملک کے اُن تمام حصّوں میں مل جائیں گی جہاں تھوڑی سی تعداد میں بھی اُردو آبادی موجود ہے۔ فرق بس اتنا ہے کہ کچھ زیادہ سرگرم ہیں، کچھ کم ہیں تو کچھ برائے نام۔ اسی طرح وسائل کے لحاظ سے بعض تنظیمیں خود کفیل ہیں تو بعض کو مالی دشواریوں کا سامنا رہتا ہے لیکن مسائل ہر تنظیم کے سامنے ہیں۔ مسائل کا ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے کام سے پیچھے ہٹنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت ہے کل اُردو آبادی کو بیدار کرنے کی اور اُن تمام لوگوں کے تعاون کی ہے جن کی یہ ذمّے داری ہے کہ وہ اُردو کے فروغ و ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

■ **احمد حبیب الدین وقار، عظیم کالونی، 84-10، کوہیر، میدک**

"اردو دنیا" ماہنامہ مئی 2002 کے سرورق پر موبائل وین کی تصویر شائع ہوئی ہے جو کونسل کی گوناگوں سرگرمیوں کی ایک علامت ہے۔ ہر ریاست میں موبائل وین اس طرح کا دورہ کرے تو خوب ہو۔ "فروغ اردو اور رضاکارانہ تنظیمیں" (گیسٹ کالم) ایڈیٹر سیاست زاہد علی خاں صاحب کا مضمون معلومات افزا ہے۔ اردو ادب (کوئز) بھی اہم ہے۔ چوں کہ میں کوئز ماسٹر ہوں اس لیے یہ کالم میرے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ شمارہ معیاری ہے۔

■ **عبدالنور شبلی، C-62/A، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-110025**

جون کے "اردو دنیا" کے شمارے میں ڈاکٹر ظفر حیدری صاحب کا خط پڑھا۔ یہ خط انھوں نے اپریل ماہ کے شمارے میں شائع شدہ میرے مضمون صحافت میں کیریئر کے تعلق سے لکھا ہے۔

مضمون کے آخر میں میں نے صحافت کا کورس کرانے والی جن یونی ورسٹیوں کی لسٹ دی ہے وہ مکمل لسٹ نہیں ہے بلکہ کچھ ہی کے نام دیے گئے ہیں۔ اسی لیے کشمیر یونی ورسٹی کا نام شامل نہیں ہے۔ ملک میں صحافت کا کورس کرانے والے اداروں کی کمی نہیں ہے۔ ان سبھی کا نام ایک مضمون کے ساتھ دینا ممکن نہیں تھا۔

■ **یوسف گوہر، جلال نگر، ایم سی اسکول، شاہجہاں پور-242001**

ماہنامہ "اردو دنیا" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ رسالہ معیاری ہے اور معلومات سے پُر ہے، پسند آیا۔ یقین ہے ادبی حلقوں میں یہ رسالہ کافی مقبول ہو رہا ہوگا۔ کئی مضامین نے مجھے بھی بے حد متاثر کیا۔ رئیس صدیقی صاحب بھی آج کل خوب لکھ رہے ہیں۔

■ **ارجن دیو مجبور، 207، وارڈ نمبر-12، اودھم پور-182101**

آپ کا ماہنامہ "اردو دنیا" لگاتار پڑھتا ہوں۔ اس میں اردو دنیا کے بارے میں اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

■ **ناصر راہی، باری نگر، ٹلکو ورکس، جمشید پور**

ماہنامہ "اردو دنیا" ایک بھرپور مجلّہ ہے، آپ کا ہمارا۔ خدا آپ کو اس کارِ خیر کو کرنے کے لیے سلامت رکھے (آمین)۔

□□□

پروفیسر گوپی چند نارنگ کی گراں قدر علمی و تحقیقی کتاب کا

نظرثانی شدہ اور اضافہ شدہ نیا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

ہندستانی قصّوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

''ہندستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں'' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کارنامہ ہے۔ اُردو مثنویوں میں جو فضا اور ماحول ہے، اس کی طرف ابھی تک بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اس کمی کو دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور نہایت تلاش اور تحقیق سے اُردو مثنویوں کی ہندستانی بنیاد کا جائزہ لیا ہے۔ نارنگ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس کے سارے گوشوں پر نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق کے ان نوادر کو جو نظروں سے اوجھل تھے، یکجا کرکے ایک داستان مرتب کی ہے، جس میں معلومات کے ساتھ دل کشی بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو کی ہندستانی بنیاد اور تہذیبی رنگ کو واضح کرنے میں یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی''۔

آل احمد سرور

صفحات : 364 قیمت : 200 روپے

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

ویسٹ بلاک ۔1، آر.کے. پورم، نئی دہلی 110066

ہماری بات

ہر برس جب اسکولوں کے رزلٹ آنا شروع ہوتے ہیں تو عام لوگ گرمی کی شدت سے ہونے والی بے اطمینانی کے ساتھ ساتھ ایک اور بے چینی کا شکار ہوتے ہیں—وہ ہے رزلٹ کے مشتہر ہونے کے بعد ناکام ہونے والے طالب علموں میں خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی خبریں۔ جن لوگوں کے بچوں نے امتحان دیے ہیں، وہ کچھ زیادہ ہی مضطرب ہوتے ہیں۔ احساسِ ناکامی سے خودکشی کا بڑھتا ہوا رجحان تو ایک انتہائی عمل ہے لیکن جو خبریں اخباروں تک نہیں پہنچتیں وہ ان ہزاروں طالب علموں سے متعلق ہوتی ہیں جن کی شخصیت اس ناکامی کے سبب کسی دوسرے عبرت ناک موڑ کی جانب مڑ جاتی ہے—وہ چاہے رویّوں کی بے اعتدالی اور غیر سماجی سرگرمیوں کے روپ میں ظاہر ہو یا کسی نفسیاتی گرہ، غیر مستقبل مزاجی اور خود اعتمادی کی شکست کے روپ میں— ہر اعتبار سے اس کی شخصیت مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔

طالبِ علم کی مکمل شخصیت اور اس کی صلاحیتوں کو تین تین گھنٹوں کے امتحان میں قید کر کے جانچنے کی اس روایت نے پورے معاشرے کی نشوونما اور قومی کردار کو متاثر کیا ہے۔ صلاحیتوں کی جانچ کے اس واحد نظام کے نتائج کتنے دور رس ہیں اس کا اندازہ روا روی میں نہیں ہو سکتا بلکہ آپ جتنا غور کریں گے اتنی ہی تہیں کھلتی چلی جائیں گی۔

اس نظام نے تعلیم کے بنیادی مقاصد بھی نہ صرف بدل دیے ہیں بلکہ ان میں ابہام بھی پیدا ہو گیا ہے۔ یہ بات کافی عرصے سے موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے کہ تعلیم کی اساس کردار سازی پر ہو یا کیریئر سازی پر۔ ماہرینِ تعلیم کے اس بات پر متفق ہونے کے باوجود کہ تعلیمی عمل میں طالبِ علم کی شخصیت کا ہمہ جہت فروغ ہونا چاہیے اور کیریئر مرکوز تعلیم میں بھی ان ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، عملی طور پر معاشرہ دوسری ہی سمت میں جا رہا ہے۔ معاشرے کو مخالف سمت میں لے جانے کا ذمے دار اور اس کا سرچشمہ یہی تعلیمی نظام ہے جس میں طالبِ علم کی ہنرمندی اور مہارت کو علم کا، اطلاعات جمع کرنے کو دانشمندی کا، زیادہ نمبروں کے حصول کو قابلیت کا، ڈگریاں حاصل کرنے کو صلاحیت و استعداد کا اور قوتِ گفتار کو فکرِ تازہ کا متبادل سمجھا جاتا ہے۔ جب تعلیم کا مقصد اطلاعات جمع کرنا، کسی مخصوص شعبے میں مہارت حاصل کرنا، مسابقت میں آگے آنے کے لیے زیادہ نمبروں اور ڈگریوں کا حصول مکمل شخصیت کا متبادل بن جائے تو تعلیم کے وہ مقاصد جن کی رو سے مسائل کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی صلاحیت، حالات کے مطابق چیزوں میں امتیاز کرنے اور پہچاننے کی استعداد بہتر انسانی معاشرے اور آفاقی اقدار کے مطابق پیدا ہونی چاہیے، پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور شخصیت کی بنیاد کجی کا شکار ہو جاتی ہے۔

دوسری جانب کیریئر مرکوز نظامِ تعلیم کی ایک ذہن یہ بھی ہے کہ اب اساتذہ کا رول بھی بدل گیا ہے۔ استاد کی نظر میں اب تدریس کے مقابلے میں علمیت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے، بلکہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ تدریس کا عمل بالکل ہی پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اب بنیادی بات یہ سمجھی جاتی ہے کہ استاد نے کتنا علم حاصل کیا، کتنے اکادمک پیپر لکھے ہیں، کتنی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، کتنے سیمناروں میں پرچے پڑھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علمی صلاحیتوں سے متعلق یہ ساری خوبیاں یقیناً غیر اہم ہو جاتی ہیں اگر ان کے ساتھ ساتھ یہ کریڈٹ استاد کو نہ ملے کہ اس نے کتنے طالب علموں کی تربیت کی ہے۔

ہمارے تعلیمی نظام سے متعلق یہ بنیادی امور ہیں جو فوری توجہ کے طالب گار ہیں۔ یوں تو ماہرینِ تعلیم ان امور پر اظہارِ خیال کرتے ہی رہتے ہیں لیکن ان امور کی جانب عام لوگوں کو متوجہ کرنے اور ان کی فکر کا حصہ بنانے کی غرض سے گذشتہ دنوں ٹائمز آف انڈیا نے بحث کے آغاز کا اعلان کیا ہے۔ دلی کے سینٹ اسٹیفنز کالج کے پرنسپل پروفیسر انل ولسن کے مضمون سے شروع ہونے والی اس بحث میں مندرجہ بالا امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے خصوصاً اساتذہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ آج کے ہمارے تعلیمی نظام میں عالم (Academics) زیادہ تعداد میں ہیں اور روایتی مدرس (Educators) خال خال ہی بچے ہیں جن کا کام بس نصاب کو جلد سے جلد نمٹانے تک محدود ہے، کلاس روم سے باہر طالبِ علم کی زندگی سے انھیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جب کہ پرانی روش کا بیچارا مدرس نصاب میں شامل موضوعات کے نکات کو ان کے سماجی رشتوں کے پس منظر میں سمجھاتا ہے اور اپنے طالبِ علم کی مکمل زندگی کو، اس کی کل کائنات کو اپنا کلاس روم سمجھتا ہے۔

تدریس میں نام نہاد اکادمک اپروچ اختیار کرنے کے سبب افسوس ناک صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بھرپور اطلاعات / علم کے حصول اور مہارت حاصل کرنے کے باوجود طالبِ علم کی تربیت اس طرح نہیں ہو پاتی کہ وہ اپنے علم اور مہارت کا استعمال دانشمندی سے کر سکے۔ گریڈ یا نمبر حاصل کرنے کو صلاحیت کی جانچ کا واحد پیمانہ بنا دینے سے اب درس و تدریس بھی ایک انڈسٹری کی صورت اختیار کر گئی ہے جس میں سارا زور پروڈکٹ پر ہوتا ہے، تعمیر کے عمل پر نہیں۔

تعلیم کے عمل سے متعلق ان بنیادی امور پر غور کرنے کی ضرورت جہاں ایک طرف صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے وہیں دوسری جانب ہونہار اور حساس قوم کے طور پر عالمی سطح پر اپنا مقام بنانے کے لیے بھی لازمی ہے۔ عام شہریوں کی سطح پر ان مباحث کا آنا امید افزا قدم ہے جس کے سبب تعلیم کے تئیں عوامی رویے میں تبدیلی ممکن ہو سکے گی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

اطہر فاروقی

گیسٹ کالم

مسلمانوں کا تشخص اور تعلیمی صورتِ حال

مسلمان ہندستانیوں کے موجودہ متذبذب حالات کے حوالے سے اٹھنے والے اہم سوالات ان کے تشخص، شریعت کی تفہیم اور تعلیمی صورتِ حال سے متعلق ہیں۔ تاریخی اعتبار سے لفظ 'مسلمان' کی کوئی واضح تشریح 1934 کے شریعت ایکٹ سے قبل نہیں ملتی (جس کے مطابق مسلمان وہ شخص ہے جو مسلم پرسنل لا کا پیروکار ہو) لیکن درحقیقت آزادی کے بعد مسلمانوں میں ایک مخصوص رجحان قدامت پرست مسلم رہنماؤں کے اثر سے مسلسل بڑھا ہے — اور یہ رجحان مسلم تشخص کی دیگر علامتیں مقرر کرنے کا رجحان ہے۔

ہندستان کے کسی شہر یا قصبے کی کسی گلی سے گزرتے ہوئے آپ کا واسطہ ایسے مسلمانوں سے ضرور پڑے گا جو اونچے پاجامے پہنے اور سر پر ٹوپی لگائے مسجدوں کی جانب لپکتے جا رہے ہوں گے (میڈیا میں مسلمانوں سے متعلق ہر خبر اور ہر فیچر کے ساتھ ایسی ہی تصویریں نمایاں کی جاتی ہیں)۔ ان کو دیکھ کر آپ کو یہ حیرانی ضرور ہوگی کہ آیا موجودہ عہد میں مسلمان ہونے کے لیے ان ظاہری علامتوں کو اختیار کرنا لازمی ہے یا پھر مسلمان کے طور پر اپنے تشخص کی حفاظت کے لیے جدید طرزِ زندگی کی مخالفت میں یہ ہیئت کذائی اختیار کر کے مخصوص تشخص پر اصرار کرنا۔

اگر ہم بحث کو یہاں سے شروع کریں کہ ہندو سماج میں آرہی تبدیلیاں جن کے باعث ہندو بنیاد پرستی کو فروغ ملا ہے، مسلم سماج میں پیدا ہونے والی روایت پسندی کے جنم کی ذمے دار ہیں، تو بھی ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ مسلم سماج کے مستحکم تشخص کے خواہاں علامہ اقبال اگر موجودہ حالات سے دوچار ہوتے تو ان کا ردِعمل کیا ہوتا!! اس سوال کے جواب کی تفصیلات میں جائے بغیر کوئی بھی شخص بڑی آسانی سے اس بات پر متفق ہو جائے گا کہ اس سوال پر اقبال نے کہیں زیادہ لچیلا رویہ اختیار کیا ہوتا۔ اقبال نے یقیناً یہ مشورہ دیا ہوتا (جیسا کہ ان کا عقیدہ بھی تھا) کہ اپنے مذہبی عقیدے پر مکمل اعتماد ہی ہمارے تشخص کی سب سے بڑی علامت ہے اور اس تشخص کو کسی ظاہری لیپا پوتی کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا۔ انھوں نے یہ دلیل دینے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا ہوتا کہ موجودہ حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے لازم تبدیلیوں سے مسلم تشخص میل نہیں کھاتا ہے۔

مساوات اسلام کی اہم ترین صفات میں سے ایک ہے جسے نظریاتی طور پر ہندستانی آئین نے بھی اپنا جزوِ لاینفک تسلیم کیا ہے۔ مساوات کا یہ اصول ہندستان میں رہنے والے تمام فرقوں اور گروہوں سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی سماجی تنظیم میں کمزور طبقوں اور حاشیے پر زندگی گزارنے والے لوگوں کو مساوات کی طرف بڑھنے میں ہر ممکن مدد کریں گے۔ لیکن اس نصب العین کے برخلاف مسلم سماج کی عملی صورتِ حال یہ ہے کہ قدامت پرست مسلم رہنماؤں نے شریعت کے مذہبی کردار کے نام پر مسلم خواتین کو مساوات کے حق سے محروم رکھا ہے۔ پھر یہ دلیل دے کر قدامت پرستی اختیار کی ہے کہ غیر مسلم اکثریتی معاشرے کی غلبے کے خدشے کا مقابلہ کرنے کے لیے اور مسلم معاشرے میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی غرض سے مخصوص تشخص پر اصرار لازمی ہے۔

اصولاً ہندی مسلمانوں کی ثقافت اور تہذیب پر اکثریتی فرقے کے استیلا کے امکانات سے انکار نہیں کیا جاسکتا (غلبے کی صورت میں آئینِ ہند کی دفعات کے تحت اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی جو گارنٹی فراہم کی گئی ہے، اس کے مطابق مسلمانوں کو اپنے حقوق کی سیاسی جنگ جمہوری طریقے سے لڑنا ہوگی)، لیکن خواتین کو ان کے ان حقوق سے محروم کرنا جو ان کو اسلام آنے کے بعد پہلی دوسری صدی میں ہی مل گئے تھے، اور اس کے لیے شریعت کا سہارا لینا تکثیریتی ہندستانی معاشرے میں رہنے والے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بڑی عجیب و غریب صورتِ حال سے دوچار کرتا ہے۔ آج فوری ضرورت شریعت کے دینی اصولوں اور سماجی ضابطوں یعنی عبادات اور معاملات کی واضح درجہ بندی کرنے کی ہے۔ اس کے حصول کے لیے معاصر تقاضوں اور نظریات کی روشنی میں شریعت کے متعین ضابطوں کے مطابق اس کی تشریحِ نو کی ضرورت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ مسلم پرسنل لا ہی کی تشکیلِ نو ہونی چاہیے۔ اس کام کا ڈھانچہ علامہ اقبال کے عبادات اور معاملات سے متعلق نظریات کی روشنی میں تیار

● یہ مضمون انگریزی روزنامہ 'دی پائنیر' نئی دہلی کی 22/اپریل اور 5/جون کی اشاعتوں میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ دوسری قسط کا اردو قالب جو ان صفحات میں پیش ہے، خود مصنف نے تیار کیا ہے۔

کیا جاسکتا ہے۔ حالاں کہ اس تجویز سے بہت سے لوگ جزوی یا مکمل طور پر اتفاق نہیں کریں گے لیکن شریعت اور مسلم پرسنل لا کی تشریحِ نو کے مسئلے کو مثبت رخ دینے کے لیے علامہ اقبال کے نظریات کو کم از کم نقطہ آغاز کے طور پر تو استعمال کیا ہی جاسکتا ہے۔

آخر میں مسلمانوں کی تعلیمی حالتِ زار کے تعلق سے صرف اتنا عرض کروں گا کہ معاصر ہندستان میں مسلمانوں کی تعلیمی صورتِ حال سے متعلق جو تھوڑے بہت اعداد و شمار ملتے ہیں، ان سے عیاں ہے کہ ان کے تعلیمی مسائل بے حد سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں۔ بہت سے تاریخی، سماجی اور اقتصادی عوامل اس دگرگوں صورتِ حال کے ذمے دار ہیں جن کی تفصیل میں جانے کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آج بھی مسلمان اس مخمصے کا شکار ہیں کہ وہ مدرسوں کی دینی تعلیم اور اسٹیٹ کی فراہم کردہ سیکولر تعلیم میں سے کس کا انتخاب کریں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں طرح کی تعلیم میں توازن کیوں پیدا نہیں کیا جاسکتا؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ مذہبی یا دینی تعلیم کا نظام حالات کی مناسبت سے کچھ تبدیلیوں کا بھی روادار ہو جائے اور وہ سیکولر تعلیم کو اس حد تک ضرور ساتھ لے کر چلے کہ مسلم معاشرے کی معاشی ضرورتوں اور ان کی تکمیل میں پنہاں مسابقت کے لازمی عنصر کی ضرورتوں کو پورا کرسکے؟ اقبال کا تصورِ تعلیم مسلمان ہندستانیوں کے تعلیمی نظام کی تعمیرِ نو کی سمت میں رہنمائی کرتا ہے۔ میرے خیال میں بہتر تو یہ ہوگا کہ آزادی کے بعد مدرسوں کی تعلیم کے غیر معمولی فروغ کے پیشِ نظر ان میں جمہور نواز پہلوؤں کو فروغ دینے کی کوششیں کی جائیں اور ان کے نصابِ تعلیم کو ایک نئی مرکزیت کے ساتھ ترتیب دینے کے بارے میں غور کیا جائے تاکہ نئی عالمی معیشت میں مدرسے کے فارغین کو بھی شرکت کا موقع ملے۔ دینی مدارس کا نظام اب ایک نئے قالب کا متقاضی ضرور ہے اور یہ کام مسلمان خود ہی اور جلد ہی کرلیں تو اچھا ہے۔

فکری اور فلسفیانہ اساس فراہم کرنے والے رہنماؤں کا کام ایسے اصول وضع کرنا نہیں ہے جن کو آپ زمان و مکاں کی قیود سے باہر ہر قسم کی صورتِ حال پر آنکھیں بند کرکے منطبق کر دیں بلکہ ان کا کام تو صحیح سمت کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے تاکہ آپ نت نئے مسائل سے نمٹنے کے لیے ان اشارات کا برمحل استعمال اپنی تخلیقی فکر اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کرسکیں۔ فکرِ اقبال کے معاملے میں یہی بات درست ہے کہ آج کا مسلمان اپنے مسائل کے ریڈی میڈ حل کے لیے ان کی جانب نہ دیکھے بلکہ اقبال کے نظریات سے وہ روشنی لے جو ہندستان کے معاصر سماجی تناظر میں اس کی راہوں کو منور اور گلپوش کرسکے۔ صرف اور صرف اسی روشنی کے حصول کے لیے اقبال کے مطالعے کی ہر دور میں ضرورت ہوگی اور اسی میں اقبال کے نظریے اور فلسفے کی عظمت مضمر ہے۔

(روزنامہ "دی پائنیر"، نئی دہلی، 5رجون 2002)

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"اردو دنیا" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے --- خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi

کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:

(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے **"فکر و تحقیق"** کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے

بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi

کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:

(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

دہلی میں اردو میڈیم تعلیم

قومی اردو کونسل کا سروے

اردو ہندستان کی واحد زبان ہے جو ہندستان کے تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ہندستان کے تمام صوبوں میں اسے مادری زبان کی حیثیت سے مردم شماری میں درج کرانے والوں کی قابلِ ذکر تعداد موجود ہے۔ صرف دہلی ہی میں پانچ لاکھ بارہ ہزار نو سو نوے (5,12,990) (بمطابق مردم شماری 1991) لوگوں کی مادری زبان اردو ہے جو کہ دہلی کی کل آبادی کا پانچ اعشاریہ پینتالیس فی صد (5.45) ہے۔

دہلی میں عددی اعتبار سے پنجابی کے بعد دوسری سب سے بڑی لسانی اقلیت ہونے کے باوجود اردو لسانی اقلیت کے تئیں حکومت کا رویہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ اردو کے تئیں انتظامیہ کے غیر مناسب رویے نے اردو تعلیم کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔ حالیہ جائزے نے دہلی میں اردو تعلیم کی جو تصویر پیش کی ہے وہ بہت حوصلہ افزا نہیں ہے۔

ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اردو

ابتدائی درجوں میں

دہلی اسکول تعلیمی ایکٹ 1973 کے مطابق:

"جہاں تک ممکن ہو ابتدائی درجات کی تعلیم مادری زبان میں دی جائے گی بجز اس صورت کے کہ والدین تحریری طور پر کسی دوسرے میڈیم کی درخواست کریں۔" (ص 19)

اردو بولنے والے 5,12,990 بچوں میں سے ابتدائی درجات میں تعلیم پانے والے بچوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق تقریباً ساٹھ ہزار (60,000) ہے (5 تا 9 سال عمر کے 11.7 فی صد تناسب میں سے)۔ ایم سی ڈی (میونسپل کارپوریشن دہلی) کے تحت 76 پرائمری اسکول ہیں جن میں 22,857 بچوں کو اردو میڈیم سے تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اردو کو مادری زبان کی حیثیت سے اختیار کرنے والے بچوں میں 60% سے زیادہ بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت سے محروم ہیں۔ یہ صورتِ حال خود حکومتِ دہلی کے تعلیم کے اس اعلامیے کی سراسر خلاف ورزی ہے:

"جہاں تک ممکن ہو دلی میں ڈائرکٹر تعلیمات اور دوسرے مقامی افسران ابتدائی درجوں میں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے ہر ممکن سہولت فراہم کریں گے، خواہ وہ بچے کسی بھی لسانی اقلیت سے تعلق رکھتے ہوں۔" (ص 20)

درمیانی درجات میں

دلی اسکول ایکٹ 1973 واضح طور پر کہتا ہے:

"جہاں تک ممکن ہوگا انتظامیہ مادری زبان میں تعلیم کی سہولیات کا مناسب بندوبست کرے گی اور اس مقصد کے حصول کے لیے انتظامیہ نئے سیکشن یا کلاسز کھول سکتی ہے یا کھلوا سکتی ہے جہاں ایسے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاسکے۔ کسی اسکول میں سیکشنز اور کلاسز کا کھولا جانا اگر قابلِ عمل نہ ہو انتظامیہ ایک یا زائد اسکولوں کا انتظام کرے گی تاکہ ایسے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے کا بندوبست کیا جاسکے جو اس کے خواہاں ہیں۔" (ص 20)

مگر مادری زبان میں تعلیم دینے کے حالات درمیانی درجات میں بے حد ناگفتہ بہ ہیں۔ دہلی انتظامیہ کے اپنے پندرہ اسکول، سات امداد یافتہ اور تین اسکول نئی دہلی میونسپل کمیٹی (NDMC) کے تحت ہیں جن میں درمیانی درجات تک اردو کے ذریعے تعلیم کا نظم ہے۔ ان 25 اسکولوں میں سے صرف 13 اسکولوں میں سینئر سکنڈری درجات تک کی تعلیم کا نظم ہے۔ ان اسکولوں کی کل داخلہ صلاحیت (intake) درجہ ششم تک 3,932 طلبہ

● قومی اردو کونسل نے اس مقصد سے اردو تعلیم کے اعداد و شمار کو منضبط کرنے کا اہم منصوبہ تیار کیا تھا کہ مستند اعداد وشمار کی روشنی میں اردو تعلیم کی صورتِ حال کا جائزہ لیا جاسکے، نیز اس ذیل میں اردو طالبِ علموں کو درپیش مسائل بھی سامنے آسکیں۔ قومی اردو کونسل فخرو مباہات کے ساتھ دہلی میں اردو تعلیم کا سروے شائع کررہی ہے اور اہلِ اردو خصوصاً دہلی میں اردو تعلیم سے دل چسپی رکھنے والے ماہرین سے درخواست گزار ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

کی ہے (تین NDMC اسکول مستثنیٰ ہیں۔)

بہت سے ایسے پرائمری اسکول بھی ہیں جہاں اردو ذریعہ تعلیم ہے لیکن وہ ہندی میڈیم سکنڈری اور سینئر سیکنڈری اسکولوں کے لیے فیڈر اسکول کی طرح ہیں (ایسے اسکولوں کی فہرست ضمیمے میں شامل کی گئی ہے) جو اس بات پر دال ہیں کہ ایک طالب علم جس کی درجہ 5 تک کی تعلیم اردو میڈیم میں ہوئی ہے، اچانک اسے ہندی میڈیم کو اختیار کرنا پڑے گا۔ ایسے طالب علموں کی تعداد جنھیں اس طرح کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے 10,920 ہے جو ایم سی ڈی کے کل 76 اسکولوں میں ابتدائی درجے کی تعلیم مادری زبان کے ذریعے حاصل کرنے والے طالب علموں کی کل تعداد 22,857 کا 47.77 فی صد ہے۔ ایم سی ڈی کے 76 اسکولوں میں سے 37 اور این ڈی ایم سی کے نو اسکولوں کے بچوں کا کوئی قبول کنندہ (recipient) اسکول نہیں ہے۔ دس سال کے بچوں کے لیے جن کی فہم ناپختہ ہوتی ہے، ذریعہ تعلیم میں اچانک تبدیلی سے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ابتدائی درجے کی تعلیم کے بعد ڈراپ آؤٹ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔

دلی میں پرائمری اسکولوں کی کل تعداد 2387 ہے جن میں سے صرف 85 اسکول اردو میڈیم کے ہیں (76 MCD کے تحت اور 9 NDMC کے تحت)۔ یہ اسکولوں کی کل تعداد کا 3.56% فی صد ہے۔ مڈل، سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری درجے کے اسکولوں کی کل تعداد 2201 ہے جن میں سے صرف 25 اردو میڈیم اسکول ہیں (1.13%)۔ سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری اردو میڈیم اسکولوں میں لڑکوں کی کل تعداد 20,897 ہے (15,135 سرکاری اسکولوں میں اور 5762 امداد یافتہ اسکولوں میں)۔ 10 تا 14 سال کی عمر کے بچوں کی تعداد تقریباً 33,000 ہے۔

سینئر سیکنڈری درجات میں

دلی اسکول تعلیمی ایکٹ 1973 کے مطابق سینئر سیکنڈری درجات میں ذریعہ تعلیم ہندی زبان ہوگی:

> "موجودہ اسکولوں کی سینئر سیکنڈری کلاسوں میں جہاں ہندی کی جگہ پر کسی دوسری زبان کے ذریعے تعلیم دی جارہی ہو، وہاں اس بات کی اجازت ہے کہ ایسی دوسری زبان میں تعلیم دینا جاری رکھیں۔ اس بات کی بھی اجازت ہے کہ سینئر سیکنڈری اسکول کی کلاس میں جو کسی لسانی اقلیت کے ذریعے چلائے جارہے ہوں، اسی زبان یا کسی اور اقلیتی زبان میں تعلیم دی جاتی رہے۔

> جب افسران کو اس بات کی تشفی ہوجائے کہ ہندی کے علاوہ دوسری زبان والے طالب علموں کی تعداد کافی ہے تو ایسی حالت میں ایک اور سیکشن یا کلاس اس اسکول میں بڑھا سکتے ہیں تاکہ بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاسکے اور جہاں ایسے نئے سیکشن یا کلاس کھولنے کا انتظام نہ ہوسکے تو ایسی حالت میں ایک دو نئے اسکول بھی تعلیم کی خاطر کھولے جاسکتے ہیں جہاں بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاسکے۔" (ص ص 21-20)

سروودیہ ودیالیہ

دلی میں 316 سروودیہ ودیالیہ ہیں جن میں سے صرف 4 اردو میڈیم ہیں (1.26%)۔ یہ اس طرح ہیں:

1- سروودیہ اسکول (بوائز)، نور نگر، اوکھلا (جنوبی ضلع)
2- سروودیہ گرلز اسکول نمبر 2، زینت محل (اول شفٹ) شمالی ضلع
3- سروودیہ بوائز اسکول نمبر 1، جامع مسجد (مرکزی ضلع)
4- سروودیہ بوائز اسکول، پٹودی ہاؤس (مرکزی ضلع)

اساتذہ کا تقرر

اساتذہ کا تقرر اسٹاف سلکشن بورڈ (SSB) کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ لیکن تقرر کا طریق کار اہلیتوں کی نشان دہی مختلف ذرائع تعلیم کی بنیادوں پر نہیں کرتا ہے۔ بلکہ خالی جگہوں یا اسامیوں کی تعداد کا مجموعی طور پر اعلان کر دیا جاتا ہے جس کے مطابق اساتذہ کی بحالی ہوتی ہے۔ اس لیے اردو میڈیم اسکولوں میں اردو جاننے والے اساتذہ کی تعداد بہت کم ہے اور جو اساتذہ ہیں بھی تو ان کی اردو اتنی اچھی نہیں ہے کہ وہ سائنس اور ریاضی کی تعلیم اردو میں دے سکیں۔ زینت محل سیکنڈری اسکول لال کنواں میں درجہ ششم سے دہم تک سائنس اور ریاضی کا کوئی استاد نہیں ہے۔ سائنس اور ریاضی کے اساتذہ کی فراہمی کی درخواستوں کا حکام پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پرائمری اسکول میں پڑھنے والے 22,857 طلبہ کو پڑھانے کے لیے اساتذہ کی کل تعداد 492 ہے۔ ایک استاد پر اوسطاً 67 طلبہ کی ذمّے داری ہے، جو بہت زیادہ ہے۔

کتابیں اور قابل مطالعہ معاون مواد

سرکاری حکام یہ دعوا کرتے ہیں کہ اردو میڈیم میں کتابوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ سروودیہ اسکول نمبر 1 جامع مسجد کے پرنسپل بھی اس کی تائید کرتے ہیں، لیکن دوسرے سرکاری اسکولوں اور امداد یافتہ اسکولوں کے پرنسپل کا دعوا اس کے برعکس ہے۔ کتابیں تقریباً نصف تعلیمی سال گزر جانے کے بعد ہی دستیاب ہوتی ہیں۔ بیش تر نصابی کتابیں انگریزی سے

ترجمہ شدہ ہیں جو بیش تر صورتوں میں معیاری نہیں ہیں۔

اساتذہ کی تربیت

اگرچہ دلی یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اردو میڈیم طلبہ کے لیے بی ایڈ (B.ED) میں کچھ نشستیں محفوظ ہیں لیکن اردو تعلیم کے لیے تربیت کا کوئی مخصوص انتظام نہیں ہے۔ این سی ای آر ٹی دہلی گورنمنٹ کے ماتحت اسکولوں کے اساتذہ کو سروس ٹریننگ کی سہولت فراہم کرتا ہے۔

قومی تعلیم کی پالیسی بھی لسانی اقلیتوں کے لیے کوئی واضح لائحۂ عمل نہیں رکھتی۔ اس میں صرف اتنا کہا گیا ہے:

> "کچھ اقلیتی جماعتیں جو تعلیمی اعتبار سے پچھڑی ہوئی ہیں ان کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جائے گی تاکہ مساوات اور سماجی انصاف قائم ہو سکے۔"

بغیر کسی واضح لائحۂ عمل اور رہنما خطوط کے کس طرح لسانی اقلیتوں کی تعلیم کی طرف خاطر خواہ توجہ دی جا سکے گی، یہ ایک بحث طلب موضوع ہے۔

ضمیمہ نمبر 1

ان اردو میڈیم پرائمری اسکولوں کی فہرست جن کے طلبہ کو اپنے ہی علاقوں میں اردو میڈیم سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری اسکولوں میں تعلیم کی سہولت حاصل نہیں ہے، درج ذیل ہے:

اسکول (فیڈر اسکول، MCD)	طلبہ کی تعداد (درجہ اوّل تا پنجم)
1- منگول پوری، جے-II	167
2- اندرلوک-I	305
3- اندرلوک-II	208
4- جہاں گیر پوری، سی-I	35
5- تیمور نگر	174
6- خضر آباد-I	249
7- خضر آباد-II	162
8- ذاکر نگر-I	529
9- ذاکر نگر-II	404
10- اوکھلا (بوائز)	213
11- اوکھلا (گرلز)	335
12- حوض رانی	334
13- گلی رضیہ بیگم	85
14- کوچہ پنڈت	226
15- محلہ نیاریان-I	80
16- محلہ نیاریان-II	100
17- بیری والا باغ	72
18- برج پوری-II	314
19- برج پوری-I	366
20- رمیش پارک	371
21- ترلوک پوری-31	202
22- ترلوک پوری-27	376
23- چونسٹھ کھمبا - II	391
24- چونسٹھ کھمبا - I	483
25- کوچہ چیلان نمبر-I	290
26- کوچہ چیلان نمبر-II	149
27- نظام الدین	336
28- احاطہ کیدارا	261
29- گونڈہ نارتھ-I	627
30- گونڈہ نارتھ-II	445
31- سیما پوری - I	780
32- سیما پوری - II	619
33- برہم پوری - I	440
34- برہم پوری-II	243
35- دیال پور- I	467
36- جی ٹی روڈ-II	48
37- جے جے تمبل	134
38- این پی پرائمری اسکول، کاکا نگر	0
39- این پی گرلز پرائمری اسکول لودی روڈ	0
40- این پی پرائمری اسکول۔ نمبر 3 لکشمی بائی نگر	0
41- این پی پرائمری اسکول نمبر ا ہمایوں لین	0
42- این پی پرائمری اسکول کوٹلیہ مارگ	0
43- این پی مڈل اسکول کیننگ روڈ	0
44- این پی گرلز پرائمری بالمیکی بستی	0
45- این پی پرائمری اسکول بادیلوک اسکوائر	0
46- این پی مڈل اسکول بابل روڈ	0
کل تعداد	10,920

ضمیمہ-2

لسانی اقلیتی اسکول (اردو میڈیم)

(مڈل، سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری)

ان اعداد و شمار کی بنیاد اسٹیٹسٹکل ہینڈ بک 99-1988 پر رکھی گئی ہے جو ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن اینڈ ایڈمیشن پلان 2001-2000، گورنمنٹ آف دہلی کی جانب سے شائع ہوئی ہے:

1- گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول بلبلی خانہ۔ دہلی
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون۔27، سب زون-3
ایڈمیشن پلان۔ پی-25
درجہ ششم میں داخلے: 133
فیڈر اسکول:
1- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، بلبلی خانہ
2- ایم سی ڈی پرائمری سکول، حویلی اعظم خاں
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نیا محل

2- گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول، حویلی اعظم خان، دہلی
ڈسٹرکٹ: سینٹرل، زون-27، سب زون-3
ایڈمیشن پلان۔ پی-26
درجہ ششم میں داخلے: 19
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ترکمان گیٹ

3- مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول، فراش خانہ، لال کنواں، دہلی (ایڈیڈ اسکول)
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-8
ایڈمیشن پلان۔ پی-31
درجہ ششم میں داخلے: 70
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- دیگر/ڈپارٹمنٹل

4- گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول، کلاں محل، جامع مسجد، دہلی
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-7
ایڈمیشن پلان۔ پی-30
درجہ ششم میں داخلے: 133
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، چتلی گیٹ-2
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، حویلی اعظم خاں
4- ایم سی ڈی اسکول چتلی گیٹ-1

5- گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول، نیا محل، دہلی
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون۔27، سب زون-2
ایڈمیشن پلان۔ پی-23
درجہ ششم میں داخلے: 85
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نیا محل-1
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نیا محل-2
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نیا محل اولڈ
5- دیگر/ڈپارٹمنٹل

6- حکیم اجمل خاں سیکنڈری اسکول، دریا گنج، نئی دہلی
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون۔27، سب زون-5
ایڈمیشن پلان۔ پی-28
درجہ ششم میں داخلے: 111
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، کوچہ چیلان-1
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، کوچہ چیلان-2

7- گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول، لال کنواں، زینت محل، دہلی (سرودیہ گرلز اسکول، نمبر-1)
ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-3
ایڈمیشن پلان۔ پی-26
درجہ ششم میں داخلے: 124
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، بنسی کوئلے والی
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ترکمان گیٹ

8- گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول، پٹودی ہاؤس، نئی دہلی

(سرودیہ بوائز اسکول)

ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-7

(ایڈمیشن پلان-پی-30)

درجہ ششم میں داخلے: 91

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، فیض بازار
3- گورنمنٹ سیکنڈری اسکول، بیلا روڈ
4- اسلامیہ مڈل اسکول، پہاڑی بھوجلہ
5- دیگر/ڈپارٹمنٹل

9- گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول نمبر 1، جامعہ مسجد، دہلی

(سرودیہ سینئر سیکنڈری بوائز اسکول نمبر-1)

ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-2

ایڈمیشن پلان-پی-22

درجہ ششم میں داخلے: 196

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نیا محل
3- انڈسٹریل مڈل اسکول، جامع مسجد
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، حیا خان پہاڑی املی-1
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، حیا خان پہاڑی املی-2
6- دیگر/ڈپارٹمنٹل

10- گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، بلبلی خانہ، دہلی

ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-3

ایڈمیشن پلان-پی-25

درجہ ششم میں داخلے: 181

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول، بلبلی خانہ
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، پہاڑی بھوجلہ
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، چوڑی والان
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ڈھاپ کھمبا
6- گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول، کلاں محل

11- اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول، اجمیری گیٹ، دہلی

(ایڈیڈ اسکول)

ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-3

ایڈمیشن پلان-پی-26

درجہ ششم میں داخلے: 205

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، کوچہ پاتی رام-1
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، کوچہ پاتی رام-2
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، گلی جسی کوئلے والی
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، جی بی روڈ-1
6- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، جی بی روڈ-2
7- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ڈھاپ کھمبا
8- مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول، لال کنواں

12- گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول نمبر-2، جامع مسجد، دہلی

ڈسٹرکٹ: سنٹرل، زون-27، سب زون-2

ایڈمیشن پلان-پی-23

درجہ ششم میں داخلے: 77

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- انڈسٹریل مڈل اسکول
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، شانتی ون
4- دیگر/ڈپارٹمنٹل

13- قومی بوائز سینئر سیکنڈری اسکول، شاہی عید گاہ، دہلی

(ایڈیڈ اسکول)

ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-8، سب زون-1

ایڈمیشن پلان-پی-36

درجہ ششم میں داخلے: 155

فیڈر اسکول:

1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- اے پی پرائمری اسکول
3- اسکول کے قریبی مدرسے

4- دوسری ریاستیں

14- فتح پوری مسلم سینئر سیکنڈری اسکول، فتح پوری، دہلی
(ایڈیڈ اسکول)
ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-8، سب زون-3
ایڈمیشن پلان- پی-40
درجہ ششم میں داخلے: 213
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول، لال کنواں
3- گورنمنٹ کو ایڈ اسکول چاندنی چوک
4- نو نہال پرائمری اسکول، فراش خانہ
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، تلی ماران
6- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، گلی بابو خاں
7- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، گلی قاسم جان
8- حلف نامے کی بنیاد پر داخلے

15- شفیق میموریل کو ایڈ سینئر سیکنڈری اسکول، باڑا ہندو راؤ، دہلی
(ایڈیڈ اسکول)
ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-8، سب زون-2
ایڈمیشن پلان- پی-39
درجہ ششم میں داخلے: 80
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- حلف نامے کی بنیاد پر داخلے

16- گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول نمبر-2، زینت محل،
لال کنواں، دہلی
(سرودویہ گرلز اسکول نمبر-2، پہلی شفٹ)
ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-8، سب زون-3
ایڈمیشن پلان- پی-41
درجہ ششم میں داخلے: 84
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- گورنمنٹ سیکنڈری اسکول، لمبی گلی
3- دیگر ریاستیں

4- حلف نامے کی بنیاد پر داخلے

17- گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول نمبر-1،
لال کنواں، دہلی (سیکنڈ شفٹ)
ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-8، سب زون-3
ایڈمیشن پلان- پی-41
درجہ ششم میں داخلے: 148
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، گلی قاسم جان
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، لال کنواں
4- نو نہال پرائمری اسکول
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، لمبی گلی

18- ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول،
مین روڈ، جعفر آباد، دہلی (ایڈیڈ اسکول)
ڈسٹرکٹ: نارتھ، زون-5، سب زون-3
ایڈمیشن پلان- پی-42
درجہ ششم میں داخلے: 111
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- نیو مون پبلک اسکول

19- گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، جعفر آباد، دہلی
(اب زینت محل گورنمنٹ کو ایڈ گرلز اسکول)
ڈسٹرکٹ: نارتھ ایسٹ، زون-5، سب زون-3
ایڈمیشن پلان- پی-41
درجہ ششم میں داخلے: 656
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی گرلز اسکول، چوہان بانگر
3- ایم سی ڈی گرلز اسکول، جعفر آباد
4- ایم سی ڈی پرائمری گرلز اسکول، نوجے محلہ، موج پور
5- ایم سی ڈی پرائمری گرلز اسکول، نیو سیلم پور
6- ہند اکادمی پبلک اسکول، جعفر آباد
7- ہدیٰ موڈرن پبلک اسکول، نیو جعفر آباد

20- گورنمنٹ بوائز سینئر سیکنڈری اسکول، جعفر آباد، دہلی
ڈسٹرکٹ: نارتھ ایسٹ، زون-5، سب زون-3
ایڈمیشن پلان۔ پی-41
درجہ ششم میں داخلے: 537
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، چوہان بانگر
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، جعفر آباد
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نوجے محلہ موج پور
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، سیلم پور، فیز-3
6- ہندا کادی پرائمری پبلک اسکول، جعفر آباد۔
7- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ڈی بلاک، نیو سیلم پور۔
8- ہدیٰ موڈرن پبلک اسکول، نیو جعفر آباد

21- گورنمنٹ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول، نور نگر اوکھلا، نئی دہلی
ڈسٹرکٹ: ساؤتھ، زون-25، سب زون-3
ایڈمیشن پلان۔ پی-25
درجہ ششم میں داخلے: 228
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نور نگر
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، جسولہ گاؤں
4- گورنمنٹ بوائز مڈل اسکول، جوگابائی
5- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ابوالفضل انکلیو
6- صیفی پبلک اسکول
7- دیگر ریاستیں
8- حلف نامے کی بنیاد پر داخلے

22- سردودیہ بوائز اسکول، نور نگر، اوکھلا، نئی دہلی
ڈسٹرکٹ: ساؤتھ، زون-25، سب زون-3
ایڈمشن پلان۔ پی25
درجہ ششم میں داخلے: 254
فیڈر اسکول:
1- اپنے ہی اسکول کے بچے
2- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، نور نگر
3- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، ابوالفضل انکلیو
4- ایم سی ڈی پرائمری اسکول، جسولہ گاؤں
5- صیفی پبلک اسکول
6- دیگر ریاستیں
7- حلف نامے کی بنیاد پر داخلے

این، ڈی ایم سی اسکول (اردو میڈیم)

1- این ڈی ایم سی بوائز اسکول، لودی اسٹیٹ، نئی دہلی
2- این ڈی ایم سی گرلز اسکول بالمیکی بستی، نئی دہلی
3- این ڈی ایم سی اسکول، باپو دھام، نئی دہلی
(ایڈمشن پلان میں ان تینوں اسکولوں کا ذکر نہیں ہے۔)

□□□

کاشف الحقائق
(معروف بہ بہارستان سخن)
مصنف: سید امداد امام اثر
مرتب: ڈاکٹر وہاب اشرفی
یہ ایک اہم تنقیدی کتاب ہے جس میں نہ صرف اردو اور فارسی شعریات بلکہ عالمی شاعری کے بعض اہم پہلوؤں پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔
(دوسرا ایڈیشن)، صفحات: 740 ، قیمت: 145

اڑیسہ میں اردو
مصنف: حفیظ اللہ جونپوری
اڑیسہ میں اردو زبان وادب کے آغاز وارتقا کی مکمل تاریخ اڑیسہ میں اردو تحریک کے اہم گوشے اہم شخصیتوں کے حوالے سے اجاگر کیے گئے ہیں۔
صفحات: 504، قیمت: 157

تاریخ تمدن ہند
مصنف: پروفیسر محمد مجیب
ہندستان ابتدائی زمانے سے مختلف تمدنوں اور تہذیبوں کی مطابقتوں اور عدم مطابقتوں کا گہوارہ رہا ہے اور یہاں کئی تہذیبیں تکمیل کو پہنچ کر زوال پا چکی ہیں۔ یہ کتاب یہی روداد بیان کرتی ہے۔
(تیسرا ایڈیشن)، صفحات: 279، قیمت: 72

اے. آر. فتیحی

کرناٹک میں اردو آبادی

رقبہ 1,91,791 مربع کلومیٹر، آبادی 449.8 لاکھ
راجدھانی بنگلور اہم زبانیں کنڑ

کرناٹک کی تقریباً دہ ہزار برسوں کی تحریر شدہ تاریخ موجود ہے۔ کرناٹک، گوا اور مہاراشٹر کے جنوب میں، آندھرا پردیش کے مغرب میں، تمل ناڈو کے شمال مغرب میں اور کیرل کے شمال میں ہے۔ ریاست میں تقریباً 400 کلومیٹر لمبا سمندری ساحل ہے۔ سمندری ساحل کے تقریباً متوازی مغربی گھاٹوں کا سہیادری پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ انیسوی صدی میں عیسائی مشنریوں نے انگریزی کی تعلیم اور مشینوں کی چھپائی سے روشناس کرایا اور ٹرانسپورٹ، مواصلات اور صنعتوں کے شعبے میں انقلاب آیا۔ شہروں میں اوسط درجے کے لوگوں کا طبقہ وجود میں آیا۔ میسور کے حکمرانوں نے صنعت کاری اور تہذیب کے فروغ میں مدد کی۔ آزادی کے تحریک کے بعد کرناٹک کو متحد کرنے کی تحریک نے بھی زور پکڑا۔ آزادی کے بعد 1956ء میں ایک نیا متحد میسور صوبہ وجود میں آیا اور 1973ء میں اس کا نام بدل کر کرناٹک کیا گیا۔

ٹیبل۔1: کرناٹک میں ضلعوں کی آبادی، اردو آبادی، رقبہ اور صدر دفاتر

نمبر	ضلع	رقبہ مربع کلو میٹر	آبادی (لاکھ)	صدر دفاتر	اردو آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و اردو آبادی)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد (کل آبادی و مسلم آبادی)	فی صد (اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	بنگلور	2190	48.4	بنگلور	6.1	12.7	6.3	13.1	96.4
2	بنگلور (دیہی)	5815	16.7	بنگلور	1.4	8.3	1.4	8.6	96.8
3	بیلگام	13415	35.8	بیلگام	3.1	8.7	3.6	10.1	86.2
4	بیلاری	9885	18.9	بیلاری	2.0	10.7	2.3	12.1	88.7
5	بیدر	5448	12.6	بیدر	2.4	18.7	2.4	19.3	97.1
6	بیجاپور	17069	29.3	بیجاپور	3.4	11.8	3.9	13.4	87.8
7	چک منگلور	7201	10.2	چک منگلور	0.7	6.7	0.8	8.0	83.2
8	چترورگ	10852	21.8	چترورگ	2.0	9.3	2.1	9.8	95.5
9	جنوبی کنٹر	8441	26.9	منگلور	0.7	2.6	4.0	14.8	17.7
10	دھارواڑ	13738	35.0	دھارواڑ	4.8	13.8	5.8	16.4	84.0
11	گلبرگہ	16224	25.8	گلبرگہ	4.4	16.9	4.4	17.2	98.3
12	ہاسن	6814	15.7	ہاسن	0.8	5.2	0.8	5.4	95.7
13	کوڈگو	4102	4.9	کوڈگو	0.1	2.8	0.7	13.6	20.8
14	کولار	8223	22.2	کولار	2.5	11.3	2.5	11.4	98.8
15	منڈیا	4961	16.4	منڈیا	0.6	3.9	0.7	4.0	98.1

94.7	7.3	2.3	6.9	2.2	میسور	31.7	11954	میسور	16
83.3	12.7	2.9	10.6	2.4	رائچور	23.1	14017	رائچور	17
95.0	11.0	2.1	10.5	2.0	شموگا	19.1	10553	شموگا	18
97.8	7.7	1.8	7.5	1.7	تمکر	23.1	10598	تمکر	19
93.7	11.0	1.3	10.3	1.3	شمالی کنڑ	12.2	10291	شمالی کنڑ	20
85.6	**11.6**	**52.3**	**10.0**	**44.8**		**449.8**	کل		

مندرجۂ بالا ٹیبل کے اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے ان اضلاع کی آبادی میں نمایاں فرق ہے۔ یہ فرق چند سو سے لے کر ہزاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بنگلور سب سے گھنی آبادی والا اور کوڈگو سب سے کم آبادی والا ضلع ہے۔ رقبے کے اعتبار سے بھی کرناٹک کے تمام اضلاع میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ بنگلور رقبے کے اعتبار سے سب سے چھوٹا ضلع ہے اور بیجاپور سب سے بڑا۔ اس ٹیبل سے کرناٹک کے مختلف اضلاع میں اردو آبادی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اردو آبادی کے اعتبار سے بنگلور ضلع کو اوّلیت حاصل ہے۔ اس ضلع میں 6 لاکھ سے زیادہ کی آبادی اردو بولتی ہے۔ یہ آبادی بنگلور کی کل آبادی کا 12.7% ہے۔ کرناٹک میں اردو بولنے والی کل آبادی 44.8 لاکھ ہے جس میں 17.8 لاکھ (40%) اردو داں طبقہ دیہی علاقے میں اور 27 لاکھ (60%) شہری علاقے میں رہتا ہے۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کے کرناٹک میں اردو ایک شہری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لیے مندرجۂ ذیل گراف کی مدد لی جا سکتی ہے:

گراف-1: اردو داں طبقے میں دیہی اور شہری آبادی کا تناسب

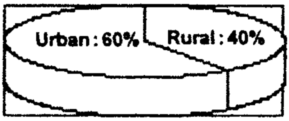

اس گراف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کے اس صوبے کے اردو آبادی کا ایک بڑا حصہ شہروں میں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کے کرناٹک میں اردو زبان کا لسانی مزاج شہری ہے۔ 44.8 لاکھ کی کل اردو آبادی میں 22.9 لاکھ مرد ہیں اور 21.9 لاکھ عورتیں ہیں۔ اردو کی کل آبادی میں ایک لاکھ کا یہ فرق کسی نمایاں تانیثی فرق (Gender Difference) کی عکاسی نہیں کرتا۔

کرناٹک میں اردو آبادی کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ان دس اضلاع کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں اردو آبادی کا تناسب 10 فی صد سے زیادہ ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی والے دس اہم اضلاع کی کل آبادی، اردو آبادی اور ان کا تناسب پیش کیا گیا ہے۔

ٹیبل-3: **10 فیصد کے قریب اردو آبادی والے اضلاع**

فی صد	اردو آبادی	کل آبادی	ضلع	نمبر
12.65	6.1	48.4	بنگلور	1.
10.71	2.0	18.9	بیلاری	2.
18.72	2.4	12.6	بیدر	3.
11.76	3.4	29.3	بیجاپور	4.
13.81	4.8	35.0	دھارواڑ	5.

6.	گلبرگہ	25.8	4.4	16.92
7.	کولار	22.2	2.5	11.27
8.	رائچور	23.1	2.4	10.57
9.	شموگا	19.1	2.0	10.47
10.	جنوبی کنڑ	12.2	1.3	10.29

اس ٹیبل کے اعداد و شمار سے مندرجۂ ذیل چند اہم نکات ابھر کر سامنے آتے ہیں:

* سبھی اضلاع میں اردو آبادی کا تناسب 10 فیصد سے زیادہ ہے۔
* بیدر میں اردو آبادی سب سے زیادہ ہے اور یہ تناسب 18.72 فیصد ہے۔

مندرجۂ ذیل گراف کی مدد سے ان اضلاع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے۔ اس گراف سے کل آبادی اور اردو آبادی کے فرق کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

گراف-2: کل آبادی اور اردو آبادی کا تناسب

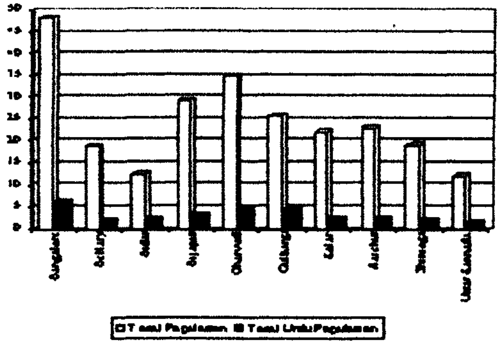

اس گراف سے یہ ظاہر ہے کہ جنوبی کنڑ ضلع میں کل آبادی اور اردو آبادی کے درمیان فرق سب سے زیادہ ہے اور ضلع بیدر میں یہ فرق سب سے کم ہے۔

اردو مسلم تشخص کی علامت؟

اردو کو ہمیشہ مسلم تشخص کی علامت سمجھا گیا ہے۔ زیرِ نظر مطالعے میں اعداد و شمار کے حوالے سے اس بنیادی سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے تناسب کو پیش کیا گیا ہے۔

ٹیبل-4: کرناٹک میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	ضلع	اردو آبادی	مسلم آبادی	فی صد (اردو آبادی و مسلم آبادی)
1	بنگلور	6.1	6.3	96.4
2	بنگلور (دیہی)	1.4	1.4	96.8
3	بیلگام	3.1	3.6	86.2
4	بیلاری	2.0	2.3	88.7
5	بیدر	2.4	2.4	97.1
6	بیجاپور	3.4	3.9	87.8
7	چک منگلور	0.7	0.8	83.2
8	چتردرگ	2.0	2.1	95.5
9	جنوبی کنڑ	0.7	4.0	17.7
10	دھارواڑ	4.8	5.8	84.0
11	گلبرگہ	4.4	4.4	98.3

12	ہاسن	0.8	0.8	95.7
13	کوڈگو	0.1	0.7	20.8
14	کولار	2.5	2.5	98.8
15	منڈیا	0.6	0.7	98.1
16	میسور	2.2	2.3	94.7
17	رائچور	2.4	2.9	83.3
18	شموگا	2.0	2.1	95.0
19	تمکر	1.7	1.8	97.8
20	شمالی کنڑ	1.3	1.3	93.7

اس ٹیبل کے تجزیاتی مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب تقریباً 90 فیصد کا ہے یعنی اس صوبے میں 90 فیصد مسلم آبادی اردو کو مادری زبان تسلیم کرتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو اور مسلم آبادی کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے۔ اس مضبوط باہمی رشتے کے باوجود کرناٹک کے مسلم آبادی کا تقریباً 10 فیصد حصہ اردو کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتا۔

اردو آبادی میں دہ سالہ اضافے کی شرح

اردو کی ترقی و ترویج کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اردو آبادی کی دہ سالہ اضافے کی شرح کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے۔ اس مطالعے سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار سے اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار اور اردو داں طبقے میں اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر 1971، 1981 اور 1991 کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی مدد سے کرناٹک میں اردو کی ترقی و ترویج کی رفتار کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیچے دیے گئے ٹیبل میں 1971، 1981 اور 1991 میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کے اضافے کی شرح کو واضح کیا گیا ہے:

ٹیبل-6: اردو اور مسلم آبادی میں اضافے کی شرح

نمبر		1971	%age	1981	%age	1991
1	مسلم	3113298	25.23	4163691	20.45	5,234,023
2	اردو	2636688	24.94	3512831	21.42	4470645

گراف-3: اضافے کی شرح

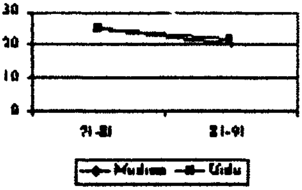

اس ٹیبل کے اعداد و شمار اور گراف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس صوبے میں اردو آبادی میں اضافے کی شرح مسلم آبادی میں اضافے کی شرح سے ذرا بہتر ہے۔ مسلم آبادی میں اضافے کی شرح 20.45 فیصد ہے جبکہ اردو آبادی میں اضافے کی شرح 21.42 فیصد ہے۔

اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

آج ہندستان میں لسانی تکثیریت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہو رہا ہے۔ لسانی تکثیریت کی شرح میں اضافہ لسانی جمہوریت کا

شاخسانہ ہے۔ اقلیتی لسانی جماعتوں میں عدم تحفظ کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ نتیجتاً لسانی اقلیتیں ہر قسم کے لسانی اختلافات کو بھول کر لسانی تکثیریت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ کرناٹک میں بھی لسانی ارتباط کی فضا ہموار نظر آتی ہے۔ اس صوبے کی اردو آبادی میں لسانی تکثیریت کے رجحان کا بخوبی اندازہ کرنے کے لیے مندرجۂ ذیل ٹیبل میں یک لسانی اور ذولسانی آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں:

ٹیبل-7: اردو آبادی میں لسانی تکثیریت

			کل	فی صد	مرد	فی صد	عورت	فی صد	دیہی	فی صد	شہری	فی صد
کل اردو بولنے والے			44.8	(9.9) 10.3	22.9	51.1	21.9	48.8	17.8	39.7	27.0	60.2
یک لسانی			19.0	42.4	8.9	47	10.1	52.9				
ذولسانی			25.8	57.5	14.0	54.2	11.8	45.7				
نمبر	زبان	بولنے	فی صد	مرد	فی صد	عورت	فی صد	دیہی	فی صد	شہری		
1	عربی	0.9	1.9	0.5	51.1	0.4	48.8					
2	انگلش	2.0	4.5	1.1	56.7	0.9	43.2					
3	ہندی	1.6	3.5	0.9	58.3	0.7	41.6					
4	کنڑ	19.5	43.5	10.5	54	9.0	45.9					
5	مراٹھی	0.4	0.9	0.2	51.1	0.2	48.8					
6	ٹمل	0.4	0.9	0.2	51.1	0.2	48.8					
7	تلگو	0.9	1.9	0.5	51.1	0.4	48.8					

ان اعداد و شمار کے تجزیے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس صوبے کی اردو آبادی میں ذولسانیت 57.5 فی صد ہے۔ یعنی اردو آبادی کا 57.5 فی صد طبقہ ایک سے زائد زبانوں سے واقف ہے۔ کرناٹک کی 43.5 فی صد سے زائد اردو آبادی کنڑ زبان سے واقف ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو آبادی اکثریتی جماعتوں کے ساتھ باہمی لسانی اختلاط و ارتباط میں یقین رکھتی ہے۔

اردو آبادی والے اضلاع میں شرح خواندگی

اردو کی ترقی و ترویج کا مسئلہ شرح خواندگی سے بھی جڑا ہوا ہے۔ 1991 کے اعداد و شمار کے مطابق ہندستان کی ریاست کرناٹک میں شرح خواندگی 46.72 فیصد ہے جو ہندستان کی عام شرح خواندگی 42.8 فیصد سے زیادہ ہے۔ 2001 کے اعداد و شمار کے مطابق ہندستان کی شرح خواندگی 65.38 فی صد ہے جبکہ کرناٹک میں شرح خواندگی صرف 58.35 فی صد ہے۔

بہرکیف اگر کرناٹک کی اردو آبادی والے 10 اضلاع کی شرح خواندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر کی شرح خواندگی بنگلور کی ہے جس کی شرح 65.3 فیصد ہے اور سب سے کم شرح خواندگی ضلع بیلاری میں ہے جس کی کل شرح 26.1 فیصد ہے۔ بنگلور کی شرح خواندگی اطمینان بخش ہے لیکن اس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ بنگلور کی کل آبادی شہری آبادی ہے۔ اور بنگلور کرناٹک کا مرکزی شہر ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کی شرح خواندگی قابل اطمینان ہے۔

اس تجزیاتی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو آبادی والے اضلاع میں بالعموم شرح خواندگی ریاست کی شرح خواندگی سے بھی کم ہے۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے اور اس صورت حال سے بخوبی نپٹنے کے لیے ایک کارگر لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔ اردو آبادی میں شرح خواندگی کی تفصیل مندرجۂ ذیل ٹیبل میں پیش کی گئی ہے۔

ٹیبل-8: اردو آبادی میں شرح خواندگی

نمبر	ضلع	کل آبادی (لاکھ)	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	مرد (لاکھ)	عورت (لاکھ)	دیہی (لاکھ)	شہری (دیہی)
1	بنگلور	48.4	31.6 (65.3%)	18.1 (57.3%)	13.5 (42.6%)	3.2 (10.0)	28.4 (89.9%)
2	بیلاری	18.9	4.9 (26.1%)	4.5 (92.0%)	2.4 (48.4%)	2.1 (42.0%)	2.9 (57.9%)
3	بیدر	12.6	4.5 (35.9%)	3.0 (67.0%)	1.5 (32.9%)	3.2 (70.0%)	1.4 (29.9%)
4	بیجاپور	29.3	13.1 (44.6%)	8.4 (64.3%)	4.7 (35.7%)	9.2 (70.0%)	3.9 (29.9%)
5	دھارواڑ	35.0	17.0 (48.5%)	10.6 (62.6%)	6.3 (37.3%)	9.8 (57.5%)	7.2 (42.4%)
6	گلبرگہ	25.8	7.9 (30.6%)	5.4 (68.8%)	2.5 (31.1%)	4.7 (59.7%)	3.2 (40.2%)
7	کولار	22.2	9.4 (42.3%)	5.9 (63.2%)	3.4 (36.7%)	6.1 (65.3%)	3.3 (34.6%)
8	رائچور	23.1	6.6 (28.5%)	4.6 (69.4%)	2.0 (30.5%)	4.4 (66.5%)	2.2 (33.4%)
9	شموگا	19.1	9.9 (52.0%)	5.9 (59.0%)	4.1 (40.9%)	6.6 (65.6%)	3.4 (34.0%)
10	جنوبی کنڑ	12.2	6.9 (56.4%)	4.0 (58.1%)	2.9 (41.8%)	4.8 (70.3%)	2.0 (29.6%)

مندرجۂ ذیل گراف میں شرح خواندگی کا تصویری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

گراف-4: اردو آبادی میں شرح خواندگی

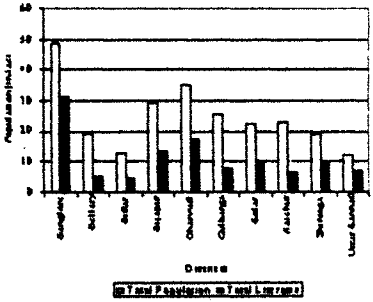

اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

اردو کی ترقی و فروغ کا معاملہ خصوصی طور پر تعلیم سے وابستہ ہے۔ اردو آبادی کی نئی نسل ناخواندگی کے سبب اردو زبان کی تحریری شکل سے ناواقف ہوتی جارہی ہے۔ اردو خواندگی کے فروغ کے لیے اردو تعلیم کی ترقی و ترویج لازمی شرط ہے۔ اردو کی ترقی اسکولی سطح کی اردو تعلیم اور کم از کم پرائمری اور جونیر ہائی اسکول (مڈل) سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم سے وابستہ ہے۔ صوبے کے اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم کا تجزیاتی جائزہ اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے۔ مندرجۂ ذیل ٹیبل کرناٹک کی اردو آبادی والے اضلاع کی تعلیمی صورت حال کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔

ٹیبل-9: اردو آبادی والے اضلاع میں تعلیم

نمبر	ضلع	کل تعلیم یافتہ (لاکھ)	غیررسمی تعلیم (لاکھ)	ابتدائی (لاکھ)	مڈل (لاکھ)	میٹرک (لاکھ)	10+2 (لاکھ)	غیرٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	ٹیکنیکل ڈپلوما (لاکھ)	گریجویٹ اور اس کے اوپر (لاکھ)
1	بنگلور	31.6 (65.3%)	0.06 (0.1%)	10.8 (34.3%)	7.2 (22.6%)	6.8 (21.5%)	2.3 (7.2%)	0.19 (0.6%)	0.62 (1.9%)	3.6 (11.4%)
2	بیلاری	4.9 (26.1%)	0.03 (0.6%)	4.1 (82.9%)	1.3 (25.5%)	0.9 (17.2%)	0.3 (6.0%)	0.06 (1.1%)	0.04 (0.8%)	0.3 (6.1%)
3	بیدر	4.5 (35.9%)	0.02 (0.4%)	2.6 (58.7%)	0.7 (15.6%)	0.7 (14.7%)	0.3 (5.6%)	0.02 (0.5%)	0.02 (0.4%)	0.2 (3.8%)
4	بیجاپور	13.1 (44.6%)	0.49 (3.7%)	7.6 (58.1%)	2.2 (17.0%)	1.5 (11.8%)	0.6 (4.4%)	0.10 (0.7%)	0.05 (0.4%)	0.5 (3.6%)
5	دھارواڑ	17.0 (48.5%)	0.03 (0.1%)	10.7 (62.8%)	2.2 (13.2%)	2.3 (13.2%)	0.8 (4.6%)	0.12 (0.7%)	0.11 (0.6%)	0.8 (4.5%)
6	گلبرگہ	7.9 (30.6%)	0.04 (0.5%)	4.1 (51.4%)	1.7 (21.2%)	1.2 (15.6%)	0.4 (5.4%)	0.05 (0.6%)	0.05 (0.5%)	0.4 (4.5%)
7	کولار	9.4 (42.3%)	0.03 (0.3%)	4.8 (50.7%)	2.4 (25.9%)	1.3 (14.3%)	0.3 (3.6%)	0.09 (0.9%)	0.08 (0.8%)	0.3 (3.1%)
8	رائچور	6.6 (28.5%)	0.08 (1.2%)	4.1 (62.6%)	0.9 (14.3%)	0.8 (12.5%)	0.3 (4.3%)	0.03 (0.5%)	0.03 (0.4%)	0.3 (3.8%)
9	شموگا	9.9 (52.0%)	0.02 (0.1%)	5.2 (52.2%)	2.2 (22.2%)	1.3 (13.3%)	0.4 (4.4%)	0.08 (0.8%)	0.06 (0.5%)	0.4 (4.1%)
10	جنوبی کنڑ	6.9 (56.4%)	0.04 (0.5%)	4.0 (58.1%)	1.3 (18.5%)	1.0 (13.8%)	0.2 (3.4%)	0.05 (0.7%)	0.02 (0.3%)	0.3 (4.3%)

اس ٹیبل سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ ان اضلاع کی 50 فی صد خواندہ آبادی پرائمری تعلیم سے آگے کی تعلیم نہیں حاصل کرپاتی۔ بالفاظ دیگر پرائمری سطح پر ''ڈراپ آؤٹ'' کافی صد 50 ہے جو آندھرا پردیش سے کچھ بہتر ہے۔ پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول تک کے تعلیمی سلسلے کی ٹوٹی ہوئی کڑی کو جوڑنے کے لیے موثر اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس چارٹ سے پرائمری سطح پر سلسلہ تعلیم کے ختم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو تعلیم کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے موثر قدم اٹھائے جائیں۔ مندرجۂ بالا ٹیبل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اردو آبادی کے لیے باقاعدہ اور منظم پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ پالیسی اتنی حساس ہونی چاہیے کہ ان تمام عوامل کو پیشِ نظر رکھ سکے جو اردو تعلیم سے بیگانگی کے ذمہ

دار ہیں۔ اس پالیسی کے تحت ان وجوہات پر غور کرنا ہوگا جن کی بدولت اردو کی ترقی سے متعلق سرکاری پالیسیاں مسلسل ناکام ہوتی رہی ہیں۔ اردو تعلیم کو کارگر بنانے کے لیے ایسے اقدام اٹھانے ہوں گے جن کے تحت اردو تعلیم کو بازار کی ضرورتوں سے جوڑا جاسکے اور تکنیکی و انتظامی سطح پر اس کی افادیت نمایاں کی جاسکے۔ جدیدکاری کی یہ کوششیں اردو تعلیم کو مذہبی اور دینی تعلیم کے محدود دائرے سے باہر نکالنے میں کارگر ثابت ہوں گی۔ اس صورت حال کی تصویری نمائندگی کے لیے مندرجۂ ذیل چارٹ کی مدد لی گئی ہے۔

گراف-5: اردو آبادی میں تعلیم

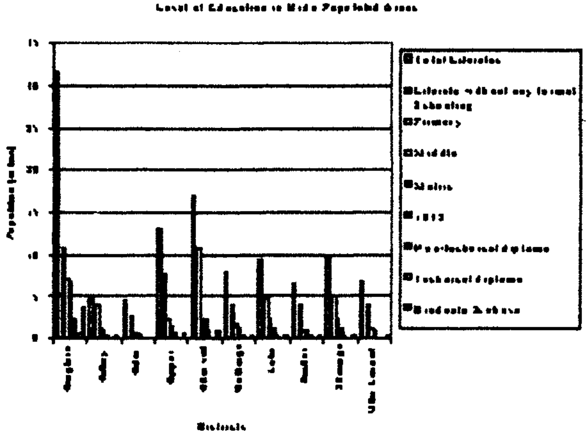

اردو ذریعۂ تعلیم

• دستورِ ہند کی مختلف دفعات اور شقوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے شہریوں کو اپنی لسانی اور تہذیبی میراث کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ دفعہ 350-A کے مطابق ''ہر ریاست اور ریاست کے ہر بااختیار ادارے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ لسانی اقلیت سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دینے کے لیے معقول سہولیات مہیا کرے اور اگر صدر اس طرح کی سہولیات فراہم کرنے کو لازمی یا مناسب سمجھے تو وہ اس سلسلے میں کسی بھی ریاست کے نام ہدایت جاری کرسکتا ہے۔''

دستور کی دفعہ 350-A کے رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ریاستی یا مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف ذریعۂ تعلیم کے طور پر کوئی بھی زبان استعمال کرے۔ اس پس منظر میں جب ہم صوبہ کرناٹک کے ذریعۂ تعلیم میں مستعمل زبانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجۂ ذیل تفصیلات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ان تفصیلات کو ٹیبل کی شکل میں نیچے پیش کیا گیا ہے۔

ہائر	سیکنڈری	اپر پرائمری	پرائمری	
5	7	8	8	NCERT Third Survey
6	7	8	8	NCERT Fifth Survey

مندرجۂ بالا اعداد و شمار سے محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کرناٹک نے صوبے کی کثیر لسانی صورت حال کو بخوبی سمجھا ہے اور اس کے پیش نظر کئی زبانوں کو بطور ذریعۂ تعلیم استعمال کیا ہے۔ NCERT کے تیسرے سروے کے مطابق پرائمری سطح پر آٹھ زبانیں ذریعۂ تعلیم کے طور پر فراہم تھیں۔ سکنڈری اور ہائر سکنڈری کی سطح پر 7 اور 5 زبانوں میں تعلیم دستیاب تھی۔ لیکن بعد میں پرائمری اور سیکنڈری سطح پر زبانوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا جب کہ ہائر سیکنڈری سطح پر زبانوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ اس صوبے میں پرائمری سے لے کر ہائر سیکنڈری تک اردو بطور ذریعۂ تعلیم مستعمل ہے۔

Principal Publication Officer
NCPUL, New Delhi

انور پاشا

اردو تعلیم ـــ تکرار کے متقاضی چند نکات

گذشتہ چند برسوں میں اردو دنیا کی توجہ پرائمری تا ثانوی درجات تک کی اردو تعلیم کا جائزہ لینے کی طرف منعطف ہوئی ہے اور سنجیدگی سے اس سوال پر غور کیا گیا ہے کہ پرائمری تا ثانوی درجات تک اردو تعلیم کس حد تک ممکن ہے۔ آزادی کے بعد بلاشبہ اردو کے لیے حالات اس درجہ خراب تھے کہ شمالی ہند میں اردو تعلیم کا نظم ختم کر دیے جانے کے بعد اس موضوع پر ہمارے اکابرین نے مطلقاً توجہ نہیں دی۔ یوں اس سیاق و سباق میں سامنے کے حقائق بھی گرد آلود ہو گئے اور اردو تعلیم کے متعلق ہر تحریر غلط بحث کا آئینہ اس لیے بن گئی کہ صحیح حقائق کسی کو معلوم ہی نہ تھے۔ اب جب کہ اردو تعلیم کا ایجنڈا متعین کرنے کی بات ہے تو میں چند سامنے کی باتوں کو دہرانا چاہتا ہوں جن کی تکرار بھی اب بازیافت کی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہ نکات اس طرح پہلے کبھی اردو والوں کے سامنے نہیں آئے۔

تعلیم آئینی طور پر ریاستوں کے اختیار کا معاملہ ہے اور مرکزی حکومت اس سلسلے میں ریاستوں کو مجبور نہیں کر سکتی۔ البتہ زبانوں کے معاملے میں مرکزی حکومت ریاستوں کو بعض ہدایات دے سکتی ہے جنھیں ریاستیں ماننے کے لیے مجبور نہیں۔ ایک اختیاری مضمون کے طور پر کسی زبان کی تعلیم اور ذریعہ تعلیم دونوں اسی ذیل میں آتے ہیں۔

تعلیم ـــ خواہ وہ اردو ہی کی کیوں نہ ہو ـــ کا ایجنڈا ہمیں درج ذیل سطحوں پر متعین کرنا ہوگا:

(الف) پرائمری تعلیم
(ب) سیکنڈری سطح کی تعلیم
(ج) سینئر سیکنڈری سطح کی تعلیم
(د) یونی ورسٹی سطح کی تعلیم

اردو تعلیم کے معاملے میں ہمیں خصوصاً درج ذیل نکات کو زیر غور لانا ہوگا:

(الف) پرائمری تعلیم کا میڈیم کیا ہو اور کیا ہندستان گیر سطح پر اردو میڈیم سے پرائمری تعلیم کا نظم ممکن ہے؟

(ب) پرائمری کے بعد یعنی سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری سطح پر نظام تعلیم میں اردو کی حیثیت کیا ہو؟

(ج) ہمیں ہر حال میں یہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اردو ذریعہ تعلیم اور ایک اختیاری مضمون کے طور پر اردو کی تعلیم یہ دونوں بالکل الگ موضوعات ہیں۔

(د) ایک اختیاری مضمون کے طور پر کسی بھی زبان کی تعلیم یا اسے اختیار کرنے کا معاملہ سہ لسانی فارمولے کے تحت چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک کا معاملہ ہے۔ گیارھویں جماعت میں طالب علم بالعموم اپنے آئندہ کیریر کا تعین کر لیتا ہے اور ہیومینٹیز (Humanities) کے علاوہ سائنس، کامرس اور ایگریکلچر گروپ کے طلبہ کے لیے دو سے زیادہ زبانیں پڑھنا ممکن نہیں رہتا۔

سہ لسانی فارمولے سے متعلق سب سے زیادہ غلط بحث اس امر سے پھیلا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا نفاذ چھٹی جماعت سے دسویں جماعت تک ہو سکتا ہے اور پرائمری تعلیم سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آئینِ ہند (دفعہ 350 A کے تحت) مادری زبان میں پرائمری تعلیم کی سفارش کرتا ہے مگر آئین میں اس امر کو بنیادی حق (Fundamental Right) نہ مان کر Special Directives کے تحت رکھا گیا ہے جس کی حیثیت ایک ایسی سفارش کی ہے جسے ریاستی سرکاریں ماننے کے لیے مجبور نہیں۔

اب آیئے ایک نظر زبانوں کے اس نظام پر ڈالیں جو آئین کے مطابق تعلیم میں اپنا رول ادا کرتی ہیں:

آئینِ ہند کے آٹھویں شیڈول میں اٹھارہ زبانوں کو جگہ دی گئی ہے۔ یہ تمام علاقائی زبانیں ہیں جن میں اردو بھی شامل ہے مگر اردو کے لیے کوئی علاقہ مختص نہیں کیا گیا۔ آئینِ ہند کسی ایک زبان کو قومی زبان تسلیم نہیں کرتا۔ اس منطق کے پیچھے ہمارے آئین سازوں کا صحیح نظریہ تھا کہ کسی ایک زبان کو قومی زبان تسلیم کرنا باقی زبانوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ہندی کی دستوری حیثیت بھی Official Language of the Union کی ہے۔ ابتداً پندرہ برسوں کے لیے انگریزی کو مرکزی حکومت کے کام کاج اور بین الصوبائی مراسلت کی زبان کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا اور بعدہٗ 1965 میں اسے Associate Additional Official Language تسلیم کر لیا گیا[1] اور مرکزی حکومت کے بیشتر کام آج بھی انگریزی میں ہی ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس صرف انگریزی میں کام کرتے ہیں۔

1. Paul R. Brass : The politics of Urdu since Independence, New Delhi : Cambridge University Press in association of Foundation Books, (Reprint 1995), p 165.

اردو تعلیم کے نظام کی تباہ حالی خصوصاً شمال کی ریاستوں میں ہوئی جہاں اردو بولنے والوں کی اکثریت آباد ہے۔ ان ریاستوں نے پرائمری تعلیم کا ذریعہ متفقہ طور پر صرف ہندی کو تسلیم کیا۔ یوں اردو میڈیم سے ابتدائی تعلیم کا نظم ان ریاستوں میں ختم ہو گیا۔ اردو آبادی کی اکثریت پہلے نمبر پر اتر پردیش میں اور دوسرے نمبر پر بہار میں آباد ہے۔ اتر پردیش میں ہندی کو پرائمری تعلیم کا میڈیم بنانے اور پرائمری سطح سے اردو کو بالکل ہی خارج کر دیے جانے کے نتیجے میں ثانوی سطح پر ایک اختیاری مضمون کے طور پر بھی اردو کی تعلیم کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ آج ثانوی سطح پر ایک اختیاری مضمون کے طور پر اردو تعلیم کا انتظام صرف ان چند ہائی اسکولوں یا انٹر میڈیٹ کالجوں میں ہے جن کا نظم اقلیتی اداروں کے طور پر مسلمانوں کے پاس ہے۔ عملاً اردو تعلیم (ذریعہ تعلیم اور اختیاری مضمون کے طور پر اردو کی تعلیم کا نظم] اتر پردیش میں اب بحال ہونا قدرے مشکل معلوم دیتا ہے کیونکہ 55 برسوں کے اس عرصے میں تین نسلیں اردو رسم خط سے مکمل طور پر ناواقف ہو گئی ہیں۔ یوں کوشش کے باوجود اردو کی تعلیم دینے والے اساتذہ نہیں ملتے۔ اسی لیے اتر پردیش حکومت نے کاغذوں پر جن اسکولوں کو پرائمری سطح پر اردو میڈیم دکھایا ہے وہ بھی عملاً ہندی میڈیم ہی کے اسکول ہیں۔ ان میں سے اکثر ایمر جنسی میں بہوگنا اسکیم کے تحت شروع کیے گئے تھے۔

بہار میں اردو تعلیم کا معاملہ قدرے غنیمت ہے کیوں کہ وہاں دینی مدارس کا نیٹ ورک مضبوط ہے اور کچھ مدارس کی ڈگریاں اسکولوں کے مساوی تسلیم شدہ ہیں۔ اردو تعلیم کی بہتر صورت حال کے سلسلے میں بالعموم جنوب کی ریاستوں اور خصوصاً مہاراشٹرا کا نام لیا جاتا ہے جہاں اردو آبادی کا صرف 25 فی صد آباد ہے جبکہ کل اردو آبادی کا 75 فی صد تو شمال کی ریاستوں میں ہے۔ اس لیے مہاراشٹرا یا جنوب کی کسی ریاست میں اردو تعلیم کی بہتر صورت حال ہندستان کے مجموعی تناظر میں کسی امید کا استعارہ نہیں۔

جہاں تک انگریزی میڈیم نظام تعلیم میں ایک اختیاری مضمون کے طور پر اردو کی تعلیم کا تعلق ہے تو وہ مجموعی منظر نامے پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتی کیوں کہ انگریزی میڈیم اسکول اوّل تو مٹھی بھر ہیں اور اردو والوں کے مجموعی معاشی حالات ایسے نہیں کہ وہ انگریزی میڈیم اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلوا سکیں لیکن جہاں اردو والے اپنے بچوں کو اچھے انگریزی میڈیم اسکولوں میں تعلیم دلوا سکتے ہیں وہاں انھیں کوشش کرنا چاہیے کہ پرائمری کے بعد ان کا بچہ زبانِ اوّل کے طور پر سہ لسانی فارمولے کی سفارشات کے مطابق اپنی مادری زبان کا مطالعہ کرے۔ بالعموم انگریزی میڈیم اسکول اس صورت میں اردو تعلیم کا نظم کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جہاں اردو پڑھنے کے خواہاں بچوں کی قابلِ لحاظ تعداد موجود ہے مگر ظاہر ہے کہ اس سہولت کے لیے وہ والدین سے اضافی فیس وصول کرتے ہیں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ ہم نے مٹھی بھر بڑے شہروں کو ہی پورا ہندستان تصور کر لیا ہے جبکہ حقیقت ظاہر ہے کہ اس سے مختلف ہے۔ اُس صورت میں سوال یہ ہے کہ اردو والوں کے لیے تعلیم کا ایجنڈا کیا ہو؟ میری ناقص رائے میں:

اوّل اردو میڈیم پرائمری اسکولوں کے قیام کے لیے گرام پنچایت سے لے کر ہر اس سطح تک کوشش کرنا چاہیے جہاں قومی ضابطے کے مطابق اردو آبادی اسکول کھولنے کی شرط پوری کرتی ہو۔ قومی ضابطے کے مطابق ہر اس علاقے میں ایک پرائمری اسکول کھولا جا سکتا ہے جہاں توقع ہو کہ 300 بچے دستیاب ہوں گے۔ بالعموم ایک یا ایک سے زیادہ گاؤں کے لیے 300 بچوں کی فراہمی پر ایک پرائمری اسکول کھولا جاتا ہے۔ یوں جہاں اردو مادری زبان والے 300 بچے موجود ہوں وہاں اردو میڈیم پرائمری اسکول کھولنے کے لیے دباؤ ڈالا جا سکتا ہے اور اس میں حکومت کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔

سہ لسانی فارمولے میں زبانِ اوّل کے طور پر اردو تعلیم کی تدریس کے نظم کے لیے اردو والوں کو کوشش کرنا چاہیے۔ سہ لسانی فارمولے میں زبانِ اول کا کالم مادری زبان کے لیے مختص ہے مگر خود اردو والوں نے کبھی اس طرف سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

ہمیں یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ جمہوریت میں عوام کے مطالبے پر حکومت صرف وہی کچھ فوراً دے سکتی ہے جس کی قانونی گنجائش موجود ہو۔ اردو لسانی اقلیت کے بچوں کے لیے اردو میڈیم پرائمری اسکول اور ثانوی سطح پر زبانِ اوّل کے طور پر اردو زبان کی تعلیم کا نظم حکومت کر سکتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ اردو والوں کے ذہن اردو تعلیم کے مسائل پر کبھی صاف نہیں رہے اور بالعموم یونی ورسٹی سطح کی اردو تعلیم ہمارے یہاں موضوعِ بحث رہی جبکہ ہم یہ بھول گئے کہ اگر پرائمری اور سیکنڈری سطح پر اردو تعلیم کا نظم نہ ہو تو یونی ورسٹی کی اعلیٰ تعلیم بھی آہستہ آہستہ دم توڑ دے گی۔

آخر میں یہ عرض کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں کہ اردو تعلیم کا مسئلہ حکومت کی اردو کش پالیسیوں کی پیداوار ہے۔ یہ امر بھی اپنی جگہ مسلّم کہ جمہوری نظام میں عوام کو اپنے جمہوری و آئینی حقوق کے تئیں بیدار رہنے اور جدو جہد کرنے کا پورا حق ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت خود جمہوریت کی بقا کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ تعلیم اور بالخصوص ابتدائی و ثانوی سطح کی تعلیم کے نظم کی ذمہ داری آئینی اعتبار سے حکومت کی ہے اور مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے حق کے لیے اردو والوں کا حکومت سے توقعات رکھنا اپنی جگہ صد فی صد درست ہے لیکن حکومت کے بدلتے کردار کے پیش نظر عوام اور بالخصوص اقلیتوں کو وقت رہتے یہ باور کر لینا چاہیے کہ اگر انھیں

تعلیم کی دوڑ (Race) میں شامل رہنا ہے اور اپنی لسانی و تہذیبی شناخت کو باقی رکھنا ہے تو حکومت پر تکیہ کرنے کی بجائے انھیں کمیونٹی (Community) کی سطح پر بھی ایسے اقدامات اختیار کرنے پڑیں گے جن کے ذریعے وہ حصول تعلیم اور تہذیبی شناخت کا تحفظ دونوں محاذوں پر قومی مسابقت میں اپنی حصہ داری برقرار رکھ سکیں۔ دنیا میں بہت سی ایسی زبانیں اور ایسے تہذیبی گروہ موجود ہیں جو بغیر کسی حکومتی امداد اور سرپرستی کے باد مخالف کی تیز و تند آندھیوں میں بھی اپنی بقا و شناخت کی شمع کو روشن رکھنے میں کامیاب رہے۔ اس سیاق و سباق میں یہودیوں کی مثال سامنے ہے۔ اس لیے جتنی جلدی ممکن ہو اس حقیقت کا اعتراف کر لیا جائے تو بہتر ہے کہ اب صرف حکومت پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنے وسائل کو Mobilise کرنا اور انھیں بروئے کار لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا حکومت سے اپنے جمہوری حقوق کا مطالبہ کرنا۔ دینی مدارس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جنھیں مسلمانوں نے مقدور بھر معاونت کر کے اپنی مذہبی ضرورتوں کے لیے زندہ رکھا۔ اردو تعلیم کی فروغ کے لیے دینی مدارس کے موجود اردو تعلیم کے نظام کو مزید مستحکم بنایا جاسکتا ہے اور ان میں رائج اردو زبان و ادب کی تعلیم اور اردو رسم خط کو تقویت و معیار عطا کیا جاسکتا ہے۔

اب یہ بھی فیصلہ کر لیا جانا چاہیے کہ اردو محض ہماری تہذیبی شناخت کی زبان کی حیثیت سے باقی رہے گی یا اعلیٰ سطح پر ذریعہ تعلیم اور ذریعہ روزگار کے حوالے سے بھی اس سے توقعات وابستہ رکھنی جائز ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن نشیں رکھنے کی ہے کہ گزشتہ نصف صدی کے تجربات یہ بتاتے ہیں کہ حکومت کی اردو کش پالیسیوں کے نتیجے میں اب رفتہ رفتہ اردو کو ذریعہ روزگار بنانے کی سعی و توقعات گھاٹے کا سودا ثابت ہو رہی ہیں بلکہ اردو والوں کی پسماندگی کا سبب بھی بن رہی ہیں۔ ایسی صورت میں جتنی جلد ممکن ہو دوٹوک فیصلہ کر لیا جانا چاہیے۔ تاکہ گومگو اور تذبذب کی کیفیت سے نجات حاصل کر کے تعلیم سے متعلق مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔

منطقی طور پر ایک بات صاف ہے کہ جب تک شمالی ہند میں ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو تعلیم کی عمارت کھڑی نہ ہو تب تک اردو کی اعلیٰ تعلیم کسی بھی حیثیت سے عملاً ممکن نہیں، نعروں کی بات دوسری ہے۔

میڈیا اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے زبردست فروغ کے سبب اس بات پر بھی غور و فکر اور تحقیق کی اشد ضرورت ہے کہ اردو زبان، اردو تعلیم اور اردو رسم خط کے فروغ اور مقبولیت میں ان وسائل کا استعمال کس حد تک اور کس طرح بہتر طور پر ممکن ہے۔

سب سے اہم بات جو ذہن نشیں رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اردو کے مسائل خالص سیاسی نوعیت کے مسائل ہیں لہٰذا سیاسی منظرنامے پر اثرانداز ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا تعلیم کے لائحہ عمل کا تعین۔ سیاسی طور پر اردو والے جتنے طاقتور اور منظم ہوں گے اردو تعلیم اور اردو زبان کے فروغ کے امکانات بھی اتنے ہی روشن ہوں گے۔

□□□

Centre for Indian Languages
School of Language, Literature & Culture Studies,
Jawahar Lal Nehru University, New Delhi - 110 067

اہلِ اردو کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر

اردو انسائیکلوپیڈیا

جو بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے

32 علوم پر مشتمل تین کلیدی جلدیں شائع ہو گئیں

قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نے اردو میں پہلا مکمل اور بین الاقوامی معیار کا انسائیکلوپیڈیا شائع کیا ہے۔ ابتدائی تین جلدیں 32 علوم پر مشتمل ہیں۔ جملہ علوم پر مختصر نوشتے آٹھ جلدوں میں شائع کیے جائیں گے۔

سارا مواد بڑی دیدہ ریزی اور مشقت کے ساتھ سلیس زبان اور دلنشین پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کاوش ہے جو آئندہ کئی نسلوں کو علم و دانش سے مالا مال کرتی رہے گی۔ ادیبوں، صحافیوں، طلبہ اور علم دوست قارئین کے لیے ایک نادر تحفہ، ہر جلد اپنے آپ میں مکمل ہے۔

جلد اوّل، 578 صفحات، قیمت-/300 روپے۔ جلد دوم، 568 صفحات، قیمت-/450 روپے۔ جلد سوم، 614 صفحات، قیمت-/450 روپے

مندرجہ ذیل پتے پر لکھیں یا کسی کتب فروش سے حاصل کریں

قومی اردو کونسل، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی

ثروت اقبال

اردو کا مستقبل اس کی تعلیم سے وابستہ ہے

ہندستان جیسے لسانی معاشرے میں کسی بھی ہندستانی زبان کے مستقبل کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنا خاصا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ایک بات البتہ طے ہے کہ آنے والے دنوں میں چھوٹی زبانوں کے لیے ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرات لاحق ہوں گے۔

جہاں تک برطانیہ میں آباد ہندو پاکستان کے اردو داں حضرات کا تعلق ہے تو برطانیہ میں آباد پرانی نسل نے تو اردو ادب کے فروغ کی حد تک اردو سے اپنا تعلق قائم رکھا ہے مگر زبان کے کثیر الجہات فروغ کے لیے برطانیہ کے اردو والوں نے بھی کچھ نہیں کیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندستان میں بھی آزادی کے بعد اردو ادب کے فروغ کو اردو زبان کا فروغ تصور کر لیا گیا جبکہ دونوں مختلف باتیں ہیں۔ اردو زبان کا فروغ اردو کی باقاعدہ تعلیم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے اور زبان کی ہمہ جہت ترقی کی عدم موجودگی میں ہندستان کی اردو میں عظیم ادب کی تخلیق کا سلسلہ کسی طرح باقی نہ رہ سکے گا۔

برطانیہ میں اردو کے فروغ کا بہت کچھ تعلق ہندستان میں اردو کے فروغ سے اس لیے ہے کہ یہاں ہندو پاکستان کی اردو آبادی کی نئی نسلیں بہتر معاشی امکانات اور تعلیم کے حصول کے لیے نقلِ مکانی کر رہی ہیں۔اس لیے ہندستان میں اردو کے حوالے سے اردو آبادی کے جو مسائل ہیں ان ہی کی کارفرمائی برطانیہ کی اردو آبادی کے رویوں میں آسانی سے شناخت کی جا سکتی ہے۔زبان کے مسائل سے عدم واقفیت، ثقافت اور اردو تعلیم کو ہم معنی تصور کر لینا اور اردو تعلیم کے لیے وقت کی ضرورت کے مطابق لائحۂ عمل مرتب نہ کرنا، یہ رجحانات ہندستان اور برطانیہ کے اردو والوں میں مشترک ہیں۔

ہرچند کہ ہندستان کے آئین کے مطابق اردو ہندستان کی 18 قومی زبانوں میں ایک ہے مگر خود اردو والوں کا رویہ ایسا ہے کہ انھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انھیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کی زبان یکے از قومی زبان ہے۔اردو سے متعلق ان کے مطالبات اقلیتی زبانوں کے لیے مغربی ممالک میں کیے جانے والے مطالبات سے کافی مشابہ ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ جو لوگ خصوصاً مغربی اسکالرز ہندستان میں اردو تعلیم کی صورت حال پر لکھ رہے ہیں وہ اس کا موازنہ برطانیہ میں ایک اقلیتی زبان کے طور پر اردو کی صورت حال سے کرتے ہیں جبکہ برطانیہ کی طرح ہندستان میں اردو غیر ملکی زبان نہیں ہے۔ معروف برطانوی اسکالر رالف رسل نے 1999 میں ہندستان میں اردو کی صورت حال پر ایک اہم مضمون لکھا جس کی خاصی شہرت ہوئی۔اس مضمون میں جناب رسل نے ہندستان میں اردو کی ترقی کے لیے اس طرح کے رضاکارانہ طریقے اختیار کرنے کا مشورہ دیا جس طرح برطانیہ میں آباد یہودی یا گجراتی اپنی زبانوں کے تحفظ کے لیے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سوچ (approach) اور اس کی بنیاد پر وضع کیا جانے والا لائحۂ عمل ہندستان میں اردو کی بقا کے لیے سود مند نہیں ہو سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو ہندستان میں اور ہندستان کے شہریوں کی ایسی زبان ہے جو یہیں پیدا ہوئی ہے۔ہندستان میں یہ ایسے تارکینِ وطن کی زبان نہیں جو ان کے ساتھ آئی ہو جبکہ برطانیہ میں آباد تارکینِ وطن اپنے ساتھ اپنی زبانیں لے کر آئے تھے۔

آزادی کے بعد اردو کے ساتھ ہندستان میں جو سلوک ہوا اس کے سیاسی پہلو پر مزید بحث و تمحیص سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا البتہ ایک بات دہرانے کی شدید ضرورت ہے کہ تقسیم کے پہلے اور بعد کے سیاسی حالات کے نتیجے میں اردو نہ صرف مسلمانوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے بلکہ خود مسلمانوں کے متوسط اور خوش حال طبقات نے بھی اسے صرف اپنی مذہبی ضرورتوں تک محدود کر دیا ہے۔ دوسری طرف اردو کا مسلمانوں کی مذہبی شناخت کا اہم عنصر تصور کر لیے جانے کے بعد آزادی کے بعد سے اپنی شناخت کی تلاش میں سرگرداں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے اس کی تعلیم کو ترک کر دیا ہے۔ تقسیم کے سانحے سے دوچار ہونے والے اُن پنجابی حضرات نے بھی اردو کو خیر باد کہہ دیا، تقسیم سے پہلے اردو جن کی زندگی کا جزو لاینفک تھی۔

تقسیم ہند کے بعد ہندستان میں زبانوں کا مجموعی منظرنامہ تبدیل ہوا۔ ہندستان میں اردو ادب کی بقا و ترویج اور ترقی کے لیے کوششیں تو کی گئی ہیں مگر شمالی ہند میں جہاں اردو داں آبادی کی اکثریت ہے، اردو میڈیم یا ایک اختیاری مضمون کے طور پر اردو تعلیم کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے اردو کا موجودہ سرمایہ اگلی نسلوں میں منتقل نہیں ہو سکے گا۔ شمالی ہندستان میں جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے وہ تقریباً سب کے سب مسلمان گھرانوں سے آتے ہیں۔ لہٰذا اردو کا ایک مذہبی اقلیت کے ساتھ منتھی ہو جانا یقینی امر ہے۔ ہرچند کہ شمالی ہندستان کے مسلمانوں پر یہ جائز الزام ہے کہ انھوں نے

آزادی کے بعد سیکولر نظام میں اردو کی شمولیت اور زبان کے طور پر اردو کے تحفظ کے لیے اس طرح کوشش نہیں کی جس طرح علی گڑھ، ندوے اور دارالعلوم دیوبند کے تحفظ کے لیے کی۔ اوّل الذکر یعنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مسلمانوں کی تعلیمی کم اور سیاسی وراثت زیادہ تھی جب کہ دیوبند اور ندوۃالعلماء سے خالص مذہبی تصور وابستہ تھا۔

شمالی ہندستان کے مسلمانوں پر عائد کیا جانے والا یہ الزام بھی بالکل درست ہے کہ عملاً اردو کا تحفظ ایک ایسی زبان کے طور پر جو زندگی کی کثیر جہات کا احاطہ کرتی ہے، ان کی ترجیحی فہرست سے خارج تھا۔ یہ بھی مگر صحیح ہے کہ اردو کے خلاف شمالی ہند کی اردو داں آبادی کے ذہنوں میں ایک انتشار ضرور رہا ہے جس کے سبب انھوں نے اردو رسم خط کی تبدیلی کی ہر تحریک کی سخت مخالفت کر کے اردو کو بچالیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج اردو بھی ہندی کی شیلی بن چکی ہوتی۔

سید شہاب الدین کا ایک مضمون بعنوان "اردو زبان، تعلیم اور مسلمان: ایک شکیتِ بے کلیسا" ماہنامہ اردو دنیا، نئی دہلی کے فروری 2001 کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سید شہاب الدین نے متعدد ایسی اہم باتیں کہی ہیں جو ہندستان میں اردو تعلیم کے احیا کا ایجنڈا ہو سکتی ہیں۔ میں نے بھی اپنے کئی دلائل کی بنیاد سید شہاب الدین کے اس مضمون پر رکھی ہے۔

آزادی کے بعد شمالی ہند میں "اردو کے وکیلوں" کی نظریاتی اساس بہت کمزور تھی۔ ان میں اکثر حکومت کے اشارے پر کام کر رہے تھے۔ اردو کے حقوق کا مطالبہ کرنے کی صرف خبریں اخباروں میں چھپوا کر تقسیم ہند کے بعد اردو لیڈر شپ تصور کر لیتی تھی کہ فرضِ کفایہ ادا ہو گیا۔ تقسیم کے نتیجے میں پروان چڑھنے والی مسلم مخالف ذہنیت نے اردو والوں کے ذہن میں یہ بات بھی بٹھادی تھی کہ اردو میں جو ہندو اہلِ قلم موجود ہیں انھیں ہی اردو کے محاذ پر آگے رکھا جائے تاکہ اردو پر عام ہندوؤں کا مزید عتاب نہ آئے۔ اس رویے نے اردو کے مقدمے کو بالکل ہی کمزور کر دیا۔ سامنے کی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے شمالی ہند کے اردو والے تیار نہیں تھے۔ اس لیے جب بھی اردو داں آبادی کو اسکولوں میں باقاعدہ اردو تعلیم کا نظم کرنے کے بجائے کھلونوں سے بہلایا گیا تو نہ تو اردو کی مسلم لیڈر شپ نے اور نہ ہی غیر مسلم اردو اشراف نے جن کی اکثریت یونیورسٹیوں سے وابستہ تھی، ایسے لچر دلائل کی تردید کی۔ مثلاً کبھی اردو کو غزل گائکی اور غزل شنوائی اور کبھی فلموں کی زبان تو کبھی ہندی لپی میں لکھنے کی بات کہہ کر یہ کہا گیا کہ ہندستان میں اردو ترقی کر رہی ہے مگر کبھی ان بودی دلیلوں کی مخالفت اردو والوں نے نہیں کی۔

ہندستان میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے بارے میں بھی عمومی رائے کوئی بہت اچھی نہیں ہے کیونکہ ان اداروں نے اردو تعلیم کے لیے سنجیدہ کوششیں نہیں کیں۔ رالف رسل نے اپنے مقالے میں (جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے) اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ سرکاری اردو اداروں کے بے عملی کے سبب پیدا شدہ بے اطمینانی اور مایوسی عام طور پر لوگوں کو ایسے اداروں سے پوری طرح مایوس کر دیتی ہے اور نتیجتاً ایسی انجمنیں وجود میں آنے لگتی ہیں جو کسی بھی طرح سے سرکاری امداد یا تعاون قبول کرنے سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہیں۔ ہندستان میں اردو کے موجودہ حالات میں ایسی خود مختار انجمنوں کی آج بے حد ضرورت ہے۔

مگر رسل صاحب یہ بات بھول گئے کہ ہندستان میں سرکاری اداروں پر محض تنقید کر کے اب کام نہیں چلے گا کیونکہ ہندستان جیسے غریب اور پسماندہ ملک میں وہاں کی اقتصادی طور پر پس ماندہ ترین اردو لسانی اقلیت اپنی مادری زبان جو قومی زبان بھی ہے، کا تحفظ یہودیوں کی طرح رضاکارانہ طور پر نہیں کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کی یہودی کمیونٹی سیاسی طور پر بھی بڑی مستحکم ہے جس کے عمومی اقتصادی حالات بھی ہندستان کے مسلم فرقے سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ مسلمان تو ہندستان میں ویسے بھی معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ اردو تعلیم کی جزوی ذمہ داری بھی رضاکارانہ طور پر پوری کر سکیں۔

اردو تعلیم کے نظم کا ہر سطح پر مطالبہ اردو والوں کو سرکاری اسکولوں کے نظام میں ہی کرنا ہوگا اور دوسرے شہریوں اور ٹیکس دہندہ کے طور پر اردو والوں کے اس حق کو حکومت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اردو کا تحفظ دینی مدارس کے ذریعے بھی نہیں ہو سکتا اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ دینی مدارس مذہبی ادارے ہیں اور ہندستانی شہری کے طور پر مسلمانوں کو ان کے اجرا اور نظم کا حق حاصل ہے مگر اسلام اور اردو ایک ہی سکے کے دو رخ نہیں ہیں۔ اردو تمام ہندستانی مسلمانوں کی مادری زبان بھی نہیں ہے۔ جس روز حکومت اسکولوں میں اردو تعلیم کے نظم کا معقول انتظام کر دے گی اسی دن اردو کے متعلق فروعی بحثوں کو لگام لگ جائے گی اور اردو ہندستان کی دیگر قومی زبانوں کی طرح ترقی کی طرف گامزن ہو سکے گی۔ مگر اردو کا سوال سیاسی سوال ہے اور جمہوریت میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ یہ بات اردو والوں کو ہر وقت یاد رکھنا ہوگی اور اس حقیقت کے تئیں انھیں اسکولوں کی سطح پر اردو تعلیم کے نظم کے لیے کوئی موثر لائحۂ عمل مرتب کرنا ہوگا۔

59, Hasalriege Road,
London - SW4 7EL, (U.K.)

تھیوڈور ڈبلیو۔ خیل

ارضی چوٹی کانفرنس کے دس سال

اقوام متحدہ کی کانفرنس جسے ریو ارضی چوٹی کانفرنس (Rio Earth Summit) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، آج سے دس سال قبل ریو ڈی جنیرو (Rio Jenero) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں 178 ملکوں کے مختلف شعبہ ہائے حیات کی ہزاروں یکتائے روزگار شخصیات نے حصہ لیا تھا۔ میں بھی اُن میں سے ایک تھا۔ اس چوٹی کانفرنس کا مقصد پائیدار ترقی کے لیے عملی پلان تیار کرنا تھا، ایک ایسی ذمّے دارانہ عالمی ترقی کی بصیرت پیدا کرنی تھی جو معیشتوں کو استحکام دے سکے، لوگوں کو غربت کی سطح سے اوپر اٹھا سکے اور ساتھ ہی قدرتی وسائل کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ بھی رکھ سکے۔

عالمی لیڈروں کے اس اجتماع نے متفقہ طور پر ایک منشور (ایجنڈا 21) کو اپنی منظوری دی تھی۔ منشور میں افلاس، آلودگی اور پائیداریت کے ضمن میں 2,500 سے زائد سفارشات پیش کی گئیں۔ یہ سفارشات ارضی وسائل کے دانشمندانہ استعمال کا اب تک کا سب سے جامع خاکہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس چوٹی کانفرنس سے بیشتر لوگ مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔ مگر آج دس سال بعد جب ہم اس کا جائزہ لے رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ "کیا ہونا تھا" اور "کیا ہوا" میں کافی فرق ہے۔ صورت حال بدل چکی ہے۔ اب جبکہ دنیا میں فی منٹ 251 بچے پیدا ہو رہے ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایجنڈا 21 ایک ایسا وعدہ ہے جو اب بھی اپنی تکمیل کا منتظر ہے۔ آج ہم یہ جان چکے ہیں کہ ریو کے اقدامات ایک طویل لازمی سفر کا محض پہلا قدم تھا۔ دوسرا قدم جسے دنیا کسی صورت نظر انداز نہیں کرسکتی وہ ہے پائیدار ترقی کے موضوع پر ایک اور عالمی چوٹی کانفرنس۔ یہ چوٹی کانفرنس جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) میں 26/اگست 2002 سے 4/ستمبر 2002 تک منعقد ہوگی۔

چوٹی کانفرنس کے موضوعات نہایت صاف اور انتہائی سنجیدہ ہیں۔ ایک طبقے کو تشویش ہے کہ ارضی وسائل کا غلط اور از حد استعمال کیا جارہا ہے۔ صاف اور قابلِ استعمال پانی تک لوگوں کی نارسائی سے ہر برس دو کروڑ افراد کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ جنگلوں کے جلائے جانے اور اُنھیں صاف کیے جانے کے سبب جانور ناپید ہوتے جارہے ہیں اور پرانی نامعلوم بیماریاں انسانی زندگی کو اپنا شکار بنا رہی ہیں۔ بلا تفریق ماہی گیری اور کاشت کاری نے دنیا کو بلائے ناگہانی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ شمالی اٹلانٹک کی کوڈ مچھلی صنعت تباہ ہو کر آسٹریلیا تک محدود ہوگئی ہے۔ وہاں زمین کی صفائی نے ہزاروں ایکڑ قابل کاشت زمین کو بنجر زمین میں تبدیل کردیا ہے۔ یہ صورت حال اُس وقت اور بھی پیچیدہ ہو جائے گی جب دنیا کی آبادی 2050 میں آج کے چھ ارب کے مقابلے نو ارب ہو جائے گی۔

دوسری جانب عالمی معاشی ترقی کی مسلسل ضرورت سامنے ہے جس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بغیر معاشی ترقی کے ہم مذکورہ بالا آفات کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ لازم ہے کہ کاروباری اداروں، ممالک اور انفرادی طور پر لوگوں کو یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ وہ اسی وقت بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرپائیں گے جب انھیں بہتری کی ترغیب دی جائے گی۔

بحیثیت پیشہ ور ثالث میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ دلیل دینا کہ ماحولیات اور معاشی ترقی کے مابین کوئی تصادم نہیں ہے، غلط ہے۔ تصادم ہے! اور یہ تصادم فی الحقیقت سیاسی اختلافات اور جنگی حالات کے سبب ہوتا ہے۔ مسلسل کم ہوتے ہوئے وسائل پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے سبب یہ تصادم کبھی نسلی، کبھی مذہبی تو کبھی ملکی جنگ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت بیشتر جنگیں زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے حصول کے لیے ہی لڑی گئی ہیں۔

ثالث یہ جانتے ہیں کہ اگر عام دلچسپی کے شعبوں کا تعین کرلیا جائے تو یہ تعین بڑے سے بڑے اختلافات کو سلجھا سکتی ہے۔ فرد ہو یا مفاد پرست گروہ یا پھر بڑی حکومتیں ہوں، سب کا مفاد اُس بڑھتی ہوئی آگ کو کم کرنے میں ہے جو ر ۔ ۔ ۔ رفتہ مغربی ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ یہ تمام موضوعات جوہانسبرگ میں زیر بحث آئیں گے۔

جب مندوبین وہاں پہنچیں گے تو انھیں یہ علم ہوگا کہ قدرتی وسائل کے تعمیری اور منصوبہ بند طریقے کے استعمال کی صورت نکال لی گئی ہے۔ جنوبی افریقہ میں حکومت نے پانی کے سلسلے میں پہل کی ہے اور اس وقت دوبارہ پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے غریب اور بے روزگار نوجوانوں پر مشتمل 300 پروجیکٹ زیر عمل ہیں۔ پورے امریکہ میں ماحولیاتی تحفظاتی ایجنسی کے ذریعے نافذ انرجی اسٹار پروگرام اور امریکی شعبۂ توانائی نے امریکی صارفین کی بڑھتی ہوئی تعداد کو بجلی کے بلب سے لے کر کمپیوٹر تک توانائی اور کم خرچ کی مصنوعات کی شناخت کا اہل بنا دیا ہے۔۔۔ نیویارک میں Earth Pledge Foundation نے جسے خود میں نے 1991 میں قائم کیا تھا، آئی

بی ایم اور مائیکروسافٹ جیسی کمپنیوں کے ساتھ مل کر پائیدار تعمیر، غذائی صنعت اور سیاحتی صنعت کی ترقی کو متحرک کیا ہے۔

شاعر روبرٹ برنس (Robert Burns) نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو ایسے ہی دیکھنا چاہیے جیسے دوسرے ہمیں دیکھتے ہیں۔ تصادم کے تدارک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہم دوسروں کو ویسے ہی دیکھیں جیسے وہ خود کو دکھانا پسند کرتے ہیں۔ سبھی کا مفاد اس میں پوشیدہ ہے کہ دنیاوی وسائل کو دانشمندانہ طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہتر دنیا کی تعمیر کی جاسکے۔ اس کار عظیم میں مشترکہ میدان کی تلاش ہی یہ طے کرپائے گی کہ آیا ہم اپنی اس عالمی مہم میں کامیاب ہوئے بھی یا نہیں جس کا خاکہ دس سال پہلے ریو میں تیار کیا گیا تھا۔

(تھیودار۔ڈبلو۔ خیل The keys of Conflict Resolutions کے مصنف ہیں۔ پیشے سے وکیل ہیں۔ اپنے پچاس سالہ کیریئر میں 30,000 سے زائد کثیر دوروں تنازعات حل کرا چکے ہیں۔ وہ نہ صرف Earth Pledge Foundation کے بانی ہیں بلکہ عالم کاری اور پائیداریت کے ادارے Carriage House Centre on Globalization end Sustainability کے روح رواں بھی ہیں۔)

(یہ مضمون روزنامہ دی پائنیر دہلی میں، 29 مئی 2002 کو شائع ہوا۔)

(مترجم: محمد احسان)

□□□

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

محکمۂ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

جنوبی ہند کی تاریخ

مصنف: کے اے نیل کنٹھ

مترجم: آر کے بھٹناگر

جنوبی ہند کی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتاب میں جنوبی ہند کی قدیم تاریخ سے سترھویں صدی کے نصفِ اول تک کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 576 ، قیمت: 114

دکنی نثر کا انتخاب

مرتبہ: سیّدہ جعفر

دکنی نثر کا یہ انتخاب دکن میں اردو نثر کی ابتدا سے فورٹ سینٹ جارج کالج کے زمانے تک کے مصنفین کا احاطہ کرتا ہے اور ان کی تصانیف کے نمائندہ منتخبات پر مشتمل ہے۔

صفحات: 168، قیمت 45

سخنورانِ گجرات

مرتب: سیّد ظہیر الدین مدنی

گجرات میں اردو شعر و ادب کی نشاندہی پندرھویں صدی کے نصف آخر سے کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ابتدا سے 1950 تک کے شعرا کا تذکرہ اور ان کے کلام پر تبصرہ، سیاسی اور سماجی پس منظر کے ساتھ درج ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 340، قیمت: 77

کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ

مرتبہ: ڈاکٹر سیّدہ جعفر

گولکنڈہ کا پانچواں تاجدار محمد قلی قطب شاہ بہ یک وقت کئی اوصاف سے متصف تھا۔ اس کا ایک اہم وصف شعر گوئی بھی تھا۔ یہ اس کا مستند کلیات ہے جس میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 824 ، قیمت: 157

قطب مشتری

مصنف: اسد اللہ وجہی

"قطب مشتری" اردو کی ابتدائی طبع زاد مثنویوں میں کئی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مثنوی متن کے ساتھ سو صفحوں پر مشتمل عالمانہ مقدمے نے کتاب کی قدر و قیمت مزید بڑھادی ہے۔

(چوتھا ایڈیشن)

صفحات: 234، قیمت: 48

کلیاتِ سراج

سراج اورنگ آبادی

مرتب: عبدالقادر سروری

سراج اورنگ آبادی اردو کے کلاسیکل شاعروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ دیباچے میں ان کی شاعرانہ خصوصیات اور ان کے شخصی اوصاف کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 732، قیمت: 138

نوٹ:۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

کے. این. پانکر

سروپلی گوپال — ایک عظیم تاریخ داں

سروپلی گوپال طویل علالت کے بعد 20/اپریل کو انتقال کر گئے۔ اُن کے گزر جانے سے دُنیائے تاریخ ایک ایسے قابل اور سنجیدہ مورخ سے محروم ہو گئی جس نے علم تاریخ کی نہایت منفرد انداز سے خدمت کی۔ اعلا پایے کی تحریروں نے انھیں دنیا کے بہترین تاریخ دانوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اُن کی موت سے ہوئے خسارے کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ہندستان کے عوام نے ایک ایسے روادار اور ہوش مند انسان کو کھو دیا ہے جو جمہوری اور سیکولر معاشرے کی بقا کے لیے عقل و شعور اور انسانی اقدار کی مرکزیت کی ہمیشہ پیروی کرتا رہا۔ اپنی نسل کے دوسرے بہت سے لوگوں کی مانند گوپال وطن پرستی کے نو آبادیاتی مخالف کردار اور مشترکہ تہذیبی قوت دونوں ہی سے گہرے طور پر متاثر تھے۔ اُن کے نظریات کی تشکیل میں معاصر ہندستان کی دو بڑی شخصیتوں جواہر لال نہرو اور سروپلی رادھا کرشنن نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ خواہ وہ ایمرجنسی کے زمانے کی آزمائشیں رہی ہوں، خواہ فرقہ پرستی کا چڑھتا ہوا سیلاب، درحقیقت یہ انھی دونوں شخصیتوں کا اثر تھا کہ گوپال تا عمر جمہوریت اور سیکولرزم کے حامی رہے۔ اُن کے نزدیک وطن پرستی کچھ اور نہیں بلکہ انھی دو قدروں کے مجموعے کا نام ہے۔ اُن کی تحقیق و تحریر انھی اقدار سے مملو ہیں۔

گوپال بلا کے آزاد ذہن محبِ وطن تھے۔ متعدد غیر ملکی یونی ورسٹیوں میں درس و تدریس میں مصروف حضرات شاذ و نادر ہی اپنے وطن لوٹ کر یہاں کے محدود وسائل کے تعلیمی اداروں کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں۔ لیکن گوپال اس عام روش سے ہٹ کر چلے۔ گوپال آکسفورڈ میں (جنوبی ایشیائی تاریخ) South Asian History پڑھاتے تھے لیکن 1970 میں جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں ایک ایسے وقت میں پروفیسر بن کر آئے جب یونی ورسٹی کا قیام عمل میں آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ انتظامیہ کے اہل کاروں میں گرچہ وہ کبھی بھی شامل نہ رہے لیکن یونی ورسٹی کے مجموعی کردار کی تشکیل میں اُن کا اثر فیصلہ کن رہا۔ تین تین مرتبہ وائس چانسلر شپ کے لیے اُن کے نام کو زیرِ غور لایا گیا تھا مگر اپنے مخصوص انداز میں گوپال نے اس نامزدگی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ وہ یہاں کی علمی سرگرمیوں اور خصوصاً مرکز برائے مطالعہ تاریخ (Centre for Historical Studies) کے تعلیمی و نصابی کردار کے ارتقا میں متحرک تھے۔ اس مرکز کے تدریسی و تحقیقی منظرنامے کو ایک نیا افق عطا کرنے میں رومیلا تھاپر اور بپن چندرا کے علاوہ گوپال بھی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ گرچہ اُن کے حلقہ احباب میں غیر ملکی اسکالروں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اور ان میں کرسٹوفر ہل (Christopher Hill) اور ایرک ہوبس بام (Eric Hobsbawm) جیسے مورخ بھی تھے، پھر بھی گوپال نے علمی اور دانشورانہ مشاغل میں ترقی یافتہ ملکوں کی بالادستی کو ہمیشہ ہی تنقید کا نشانہ بنایا۔ تیسری دُنیا کے دانشوروں کی آزادانہ تحقیق و تحریر کے وہ ہمیشہ ہی حامی رہے۔ جے این یو کا مرکز برائے تاریخی مطالعات اپنے ابتدائی دنوں ہی میں تعلیمی لحاظ سے جو خود اعتمادی پیدا کر سکا اس میں گوپال جیسی قد آور شخصیت کی موجودگی فیصلہ کن تھی۔

صدرِ جمہوریہ کا خراجِ عقیدت

پروفیسر ایس گوپال کی چنئی میں ہوئی بے وقت موت کی اطلاع سے مجھے سخت ملال ہوا ہے۔

پروفیسر گوپال ایک معروف تاریخ داں اور اسکالر تھے۔ جدید ہندستان کی تاریخ کے ادراک میں انھوں گراں قدر کردار ادا کیا ہے۔ ہندستان اور ہندستان سے باہر دونوں ہی جگہ انھوں نے ایک بڑی تعداد میں اسکالروں اور طلبہ کو تاریخ کا درس دیا۔ تاریخی حیثیت کی حامل متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر گوپال نے دنیا کی معروف یونی ورسٹیوں میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ اپنی ظرافت، بالغ النظری اور علم تاریخ پہ گہری نظر رکھنے کے سبب وہ بین الاقوامی سطح پر پہچانے جاتے تھے۔ ان کی معروفیت اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں ہی حکومتِ ہند نے انھیں اپنا تاریخی امور کا مشیر منتخب کیا تھا۔ اس ذمے داری کو گوپال نے نہایت تن دہی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ ایسے ماحول میں جب تاریخ کی سچ بولیں متنازع ہو گئی ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ گوپال جیسے اعلا درجے کے تاریخ دانوں کی قائم کردہ روایات کو فروغ دیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں جذبات اور تعصبات سے بری ہو کر شعبۂ تاریخ میں اپنی علمی اور تحقیقی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ معروف مورخ ہونے کے ساتھ ساتھ گوپال ایک نہایت عمدہ انسان بھی تھے۔

تاریخی امور کے مشیر کی حیثیت سے وہ وزارت برائے امور خارجہ میں میرے رفیق کار بھی رہ چکے ہیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ میرے ایک ایسے قریبی دوست تھے جن کی دوستی اور مشوروں کو میں نے ہمیشہ بیش قیمت گردانا۔ ان کے انتقال سے ملک میں ایک معروف اور ہر دل عزیز تاریخ دانوں کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ جدید ہندستان کی تاریخ میں ان کی منفرد تحقیق کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

رنج کی اس گھڑی میں میں ان کے غمزدہ خاندان کے ساتھ ساتھ ان کے احباب، متعلقین، طلبہ اور بے شمار مداحوں کو تہہ دل سے اپنی تعزیت پیش کرتا ہوں۔

کے. آر. نارائنن

گوپال کی ابتدائی علمی دلچسپیاں نوآبادیاتی تاریخ میں تھیں۔ Permanent Settlement کے قانون کی تشکیل اور لارڈ رپن کی انتظامیہ کی نوعیت کی ایسی ابتدائی تحقیقوں کے بعد انھوں نے British Policies in India جیسی کتاب لکھی۔ اعداد و شمار سے پُر یہ مطالعہ اس لحاظ سے بھی تاریخ کے ایک زاویے کا قابلِ قدر مطالعہ ہے کہ اس نے وسیع تر سیاسی قوتوں اور مفاد کے تناظر میں نوآبادیاتی کارکردگی کی باریکیوں کا انکشاف کیا۔ بنیادی طور پر برطانوی افسران کے ذاتی کاغذات سے فراہم معلومات پر مبنی یہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ دفتری اور ذاتی کاغذات کے اختلاط پر مبنی مطالعے کی بنیاد پر کارآمد نتیجہ اخذ کرلینا مورخ کے لیے یقیناً ایک مشکل امر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ذاتی کاغذات میں شخصی اور کئی مرتبہ نسلی تعصبات در آنے کے امکانات بہرحال موجود رہتے ہیں۔ بطور تاریخ داں گوپال کی یہ کوشش لائقِ ستائش ہے۔ انھوں نے حاصل معلومات کی اضافی اہمیت کے تعین کے بعد انھیں مربوط کرکے ایک ایسی کتاب تیار کردی جو نہ صرف نوآبادیاتی پالیسیوں بلکہ ذاتی کاغذات کے استعمال کے طریقِ کار کے لحاظ سے بھی معیاری حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

نوآبادیاتی تاریخ کے موضوع کو ترک کرکے گوپال جلد ہی تاریخی سوانح نگاری میں گہری دلچسپی لینے لگے۔ اسے وہ معاصر تاریخ کے ایک شعبے کے طور پر دیکھتے تھے۔ تین جلدوں پر مشتمل جواہر لال نہرو کی سوانح اس سلسلے میں اُن کی پہلی کوشش تھی۔ جواہر لال نہرو سے گوپال کا غالباً کوئی خصوصی ربط رہا ہوگا کیوں کہ وزارت برائے خارجی امور کے Historical Division کے ڈائرکٹر کے فرائض انجام دیتے ہوئے وہ نہرو سے روزانہ ہی ملاقات کیا کرتے تھے اور غالباً اسی عرصے میں انھیں نہرو سے جذباتی لگاؤ پیدا ہوا اور وہ نہرو کے مداح ہوگئے۔ لیکن یہ مداحی اس لحاظ سے ایک وسیع افق کی حامل تھی کہ گوپال اُن قدروں کے حامی تھے نہرو جن کا استعارہ تھے۔

گوپال کا خیال تھا کہ نہرو نے ہی ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کے اصولوں کو مستحکم کیا ہے اور وہی ہندستان کے کروڑوں عوام کی آرزوؤں کے ترجمان ہیں۔ حالانکہ یہ امر بحث طلب ہے کہ اس قسم کی قرابت اور روؤں کے ہوتے ہوئے کیا ایک سوانح نگار اپنا فرض بجا طور پر انجام دے سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ گوپال نے نہرو کو اپنا آدرش مان لیا تھا اور غالباً شعوری طور پر انھوں نے اُن کی ناکامیوں اور کمزوریوں سے چشم پوشی کی۔ ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ امر مسلم ہے کہ جہاں تک معروضیت اور سچائی کا تعلق ہے بحیثیت ایک تاریخ داں گوپال نے کسی قسم کی مصالحت نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ صنفِ سوانح نگاری میں نہرو کی سوانح آج بھی ایک معیاری حوالہ تصور کی جاتی ہے۔

گوپال اپنے موضوع کو اس کے منطقی تناظر میں پیش کرنے کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں تاکہ فرد کی سوانح اپنے سماجی منظرنامے سے بے تعلق ہوکر نہ رہ جائے۔ نہرو پر یہ کتاب ایک طرح سے قومی تحریک، آزادی اور آزادی کے بعد کے ہندستان کی کہانی اسی طرح سے ہے جس طرح سے ان معاملات سے نہرو کی وابستگی کی داستان۔ کتاب میں بیان کردہ واقعات کی اہمیت اور نہرو کی پالیسیوں کے سیاسی اثرات کے تعلق سے اسکالر گوپال سے اختلاف کرسکتے ہیں لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے اپنے موضوع کو گہرائی سے سمجھا ہے اور ہندستان کے مستقبل کے حوالے سے نہرو کے نقطہ نظر کو ایک وسیع کینوس میں نہایت احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ لیکن آج جس طرح نہرو کے خواب بکھر گئے ہیں وہ نہرو کے مداحوں کے لیے نہایت اذیت ناک ہے۔ گوپال اس صورتِ حال سے قدرے افسردہ تھے کہ ملک تحریکِ آزادی کی وراثت سے دور ہوکر رفتہ رفتہ جہاں ایک جانب ترقی پذیر ممالک کا محتاج ہوتا جارہا ہے وہیں دوسری جانب مستقل رجعت پسند قوتوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنتا جارہا ہے۔

فلسفی اور معروف سیاست داں سروپلی رادھا کرشنن کی سوانح کو میں گوپال کی سب سے عمدہ کتاب تصور کرتا ہوں۔ خود اپنے والد کی سوانح بیان کرنا بلاشبہ ایک مشکل امر ہے۔ یہ کام تب اور بھی صبر آزما ہوجاتا ہے جب آپ کا موضوع ایک ایسا معروف فلسفی ہو جس نے ہندستان کی فلسفیانہ روایت پر بے تکان لکھا ہو، جو ایک عوامی شخصیت بھی ہو اور جو ملک کے اعلا ترین عہدے پر فائز رہ چکا ہو۔ اس کاوش میں پیش آنے والی دشواریوں سے گوپال بھی بخوبی واقف تھے۔ لکھتے ہیں "یہ ایک بیٹے کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ میرے والد اور میرے درمیان تعلقات کافی قریبی اور اٹوٹ رہے۔ آج کے دور میں عام طور پر باپ اور بچوں کے مابین پائے جانے والے تعلقات کی بہ نسبت کہیں زیادہ قریبی اور مستقل۔ اور یہ قربت کئی مرتبہ دونوں ہی کے لیے اذیت کا باعث بھی بنی۔ اسی نزدیکی کے سبب ہی غالباً میں اُن بہت سی باتوں کا مشاہدہ کرسکا جن کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے۔ لیکن اس قربت کے باوجود میں نے اپنے موضوع سے انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور کچھ بھی نہیں چھپایا ہے۔"

اور یہی گوپال نے دراصل کیا بھی ہے۔ اپنی قابلیت اور تجربے کو بروئے کار لاکر اپنے والد کی زندگی، اُن کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا، اُن کے ذاتی تعلقات، عوامی مصروفیات کا اُن کے فکروخیالات کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ ناخوشگوار واقعات کے بیان میں بھی گوپال نے اپنی معروضیت کو برقرار

رکھا ہے۔ سوانح نگاروں کے یہاں یہ صفت شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ صنفِ سوانح کی بہترین تخلیقات کی صف میں یہ کام، بجا طور پر رکھے جانے کی مستحق ہے۔

متعدد جلدوں پر مشتمل نہرو کے منتخب مضامین کا مجموعہ بھی گوپال کا ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے۔ اسے انھوں نے نہایت تن دہی، مہارت اور احتیاط سے مرتب کیا ہے۔ جلدوں کی ترتیب، مواد کے استعمال اور حوالوں کی فراہمی میں جس احتیاط و توازن سے کام لیا گیا ہے وہ بطور تاریخ داں اُن کی صلاحیت کا عکاس ہے۔ اس کے علاوہ، اپنے تجربے اور علمی صلاحیت کی بنا پر ہی انھوں نے بطور جنرل ایڈیٹر "ٹوورڈز فریڈم" کے پروجیکٹ کو مناسب سمت عطا کی۔

ہندستان میں بنیاد پرستی کے چڑھتے ہوئے سیلاب سے گوپال نہایت متوشش تھے۔ اُن کو اندیشہ تھا کہ یہ رجحان جمہوریت اور سیکولرزم کی مثبت اقدار کو ملیامیٹ کر کے آخر کار ملک کے اتحاد کو خطرے میں ڈال دے گا۔ بعد میں انھوں نے The Anatomy of a Confrontation کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جو اس مسئلے پر ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں۔۔۔ "سیکولرزم قوانین، مراعات اور خصوصی درجات ہی پر مشتمل نہیں بلکہ یہ ان سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ سیکولرزم ایک ذہنی رویہ ہے، ایک فطری احساس ہے جو مجموعی طور پر ہندستان کی طرزِ زندگی میں صدیوں سے پیوست رہا ہے۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے آپسی بھائی چارے کے ساتھ یہاں صدیوں سے رہتے چلے آئے ہیں۔ حکمرانوں کا تعلق خواہ کسی مذہب سے رہا ہو، عوام اپنے رسم و روایات کو آزادی کے ساتھ نباہتے رہے۔ البتہ ان مختلف عقائد کے لوگوں نے ایک دوسرے کو فنِ تعمیر، موسیقی خورد و نوش اور حتیٰ کہ مذہبی ارتقا کے لحاظ سے فیصلہ کن انداز میں متاثر کیا۔ فرقہ پرستی کے روگ سے نجات پانے اور ہمت و حوصلے سے مستقبل کا سامنا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم اپنی خود ساختہ خیالی دنیا کے شکنجے سے باہر نکل کر ایمانداری کے ساتھ اپنے ماضی کے روبرو ہوں۔ بدقسمتی کے بجائے اسے ہندستان کی خوش قسمتی سے تعبیر کیا جانا چاہیے کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اپنی عجیب و غریب معاشرت اور رنگا رنگ تہذیب کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔"

فرقہ پرستی کی مخالفت دراصل اُن کے روادارانہ طرزِ فکر کی پیداوار ہے اور جمہوریت کے تئیں ان کی حمایت کا بھی سبب ہے۔ حکومتی اداروں سے نزدیکی کے باوجود 1977 کی ایمرجنسی کے دنوں میں بھی انھوں نے بے جھجک اپنے موقف کا اظہار کیا۔ سنہ 1975 میں علی گڑھ میں منعقد Indian History Congress کے سیشن میں گوپال نے ایمرجنسی کی مخالفت میں ایک قرارداد پیش کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب بہت سے سینئر تاریخ داں بھی اس قسم کی قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ اس وقت گوپال نے نہایت واضح الفاظ میں ایمرجنسی کو آزادیِ علم و ہنر کے واسطے ایک ضرب قرار دیا۔ اس واقعے کے بعد دہلی میں یہ افواہ گرم ہو گئی تھی کہ اپنے اس "غیر محتاط" رویے کے سبب گوپال گرفتار کیے جانے والے ہیں۔

جے این یو کے مرکز برائے مطالعہ تاریخ میں ہم پیشہ ہونے کے ناتے میں گوپال کو کوئی تیس سال کے زیادہ عرصے سے جانتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ قربت اکثر ملامت کا سبب بنتی ہے۔ لیکن گوپال کی شخصیت اس سے مستثنیٰ تھی کیوں کہ آپ گوپال سے جتنے زیادہ متعارف ہوتے جائیں گے اُن کا مقام آپ کی نظر میں اتنا ہی بلند ہوتا جائے گا۔ اس کا راز اُن کی نیک نفسی، بالغ النظری اور آزمائشوں سے بھی باعزت گزر جانے کی بے پناہ صلاحیت میں مضمر تھا۔ پیشہ ورانہ معاملات ہوں یا زندگی کے مسائل، سینٹر میں تقریباً ہر کسی کو اُن کے مشورے اور تعاون درکار ہوتے تھے اور گوپال نے بھی کبھی کسی کو مایوس نہ کیا، حتیٰ کہ اُن کو بھی کہ جن کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہیں تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ بہر صورت سینٹر کی فلاح کے متمنی تھے اور اسے وہ اپنے ہم پیشہ رفیقوں کی عافیت اور ترقی سے جدا کر کے نہیں دیکھتے تھے۔ وہ لوگ جو سینٹر کے تشکیلی دور میں اس سے وابستہ رہے وہ گوپال کو ہمیشہ ہی یاد رکھیں گے۔ میری تمنا ہے کہ اُن کی یاد کو برقرار رکھنے کی خاطر سینٹر مناسب اقدام کرے۔

ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد وہ چینئی منتقل ہوئے تو میں جب کبھی بھی مدراس جاتا، اُن سے ملاقات کرنے ضرور جاتا تھا۔ علالت کے باوجود ہر قسم کی سیاسی اور علمی سرگرمیوں سے وہ باخبر رہا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو کا انداز بھی بڑا دلچسپ ہوا کرتا تھا۔ روزمرہ کے چھوٹے سے چھوٹے موضوعات کا بھی وہ نہایت باریکی سے تجزیہ کیا کرتے تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف کر لینا کہ اب میں گوپال سے نہ مل پاؤں گا اور نہ ہی اُن کے دانشمندانہ مشوروں سے مستفید ہو پاؤں گا، میرے لیے سوہانِ روح ہے۔ صدر کے آر نارائن نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ علم تاریخ کو اُن کی دین ہمیشہ برقرار رہے گی۔ آخر کار، ایک اسکالر کے واسطے بھی شے سب سے اہم ہوتی ہے۔

(مترجم: اے. ایم. ظفر حسین)

□□□

پریم چند

دودھ کی قیمت

اب بڑے بڑے شہروں میں دایاں اور نرسیں سبھی نظر آتی ہیں لیکن دیہاتوں میں ابھی تک زچہ خانہ روشِ قدیم کی طرح بھنگنوں کے ہی دائرۂ اقتدار میں ہے اور ایک عرصۂ دراز تک اس میں اصلاح کی کوئی امید نہیں۔ بابو مہیش ناتھ اپنے گاؤں کے زمیندار ضرور تھے تعلیم یافتہ بھی تھے۔ زچہ خانے کی اصلاح کی ضرورت کو بھی تسلیم کرتے تھے لیکن عملی مشکلات کو کیا کرتے۔ دیہات میں جانے کو کوئی نرس راضی بھی ہوئی تو ایسا معاوضہ طلب کیا کہ بابو صاحب کو سر جھکا کر چلے آنے کے سوا کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ہمت ہی کیوں کر ہو سکتی۔ ان کا حق الخدمت تو غالباً بابو صاحب کی نصف ملکیت بیچ ہونے پر بھی پورا نہ ہوتا۔ آخر جب تین لڑکیوں کے بعد یہ چوتھا لڑکا پیدا ہوا تو پھر وہی گودڑ کی بہو۔ بچے بیشتر رات ہی کو پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ آدھی رات کو بابو صاحب کے چپراسی نے گودڑ گودڑ کی ہانک لگائی۔ چماروں کی ٹولی جاگ اٹھی۔

گودڑ کے گھر میں اس روزِ سعید کی مہینوں سے تیاری تھی۔ خدشہ تھا یوں ہی کہ کہیں بیٹی نہ ہو جائے۔ نہیں تو پھر وہی بندھا ہوا روپیہ اور وہی ایک ساڑھی مل کر رہ جائے گی۔ اس مسئلے پر میاں بیوی میں بار بار تبادلۂ خیالات ہو چکا تھا۔ شرطیں لگ چکی تھیں۔ گودڑ کی بہو کہتی تھی کہ اگر اب کے بیٹا نہ ہوا تو منہ نہ دکھاؤں۔ ہاں۔ ہاں۔ منہ نہ دکھاؤں اور گودڑ کہتا تھا کہ دیکھو بیٹی ہوگی اور بیچ کھیت بیٹی پیدا ہوگی۔ بیٹا پیدا ہوگا تو مونچھیں منڈوا لوں گا۔ شاید گودڑ سمجھتا تھا کہ اس طرح بھنگن میں مخالفانہ جوش پیدا کر کے وہ بیٹے کی آمد کے لیے راستہ تیار کر رہا ہے۔

بھنگن بولی۔ اب منڈوا لے مونچھیں ڈاڑھی جا۔ کہتی تھی بیٹا ہوگا پر سنتے ہی نہیں اپنی رٹ لگائے۔ کھد تیری مونچھیں مونڈوں گی۔ کھونٹی تو رکھوں نہیں۔

گودڑ نے کہا۔ "اچھا مونڈ لینا بھلی مانس، مونچھیں پھر نکلیں ہی نہیں۔ تیسرے دن پھر دیکھے جوں کی توں ہیں۔ مگر جو کچھ ملے گا اس میں آدھا رکھ لوں گا۔ کہے دیتا ہوں۔"

بھنگن نے انگوٹھا دکھایا اور اپنے تین مہینے کے بچے کو گودڑ کے سپرد کر سپاہی کے ساتھ چل دی۔

گودڑ نے پکارا۔ "اری سن تو کہاں بھاگی جاتی ہے۔ مجھے بھی تو روشن چوکی بجانے جانا پڑے گا۔

بھنگن نے دور سے ہی کہا۔ "تو کون بڑی مشکل ہے۔ وہیں دھرتی پر لٹا دینا اور روشن چوکی بجانا۔ میں آ کر دودھ پلا دیا کروں گی۔"

مہیش ناتھ کے یہاں اب کے بھنگن کی خوب خاطر کی گئی۔ صبح کو حریرہ ملتا۔ دوپہر کو پوریاں اور حلوا۔ تیسرے پہر کو پھر اور رات کو پھر اور گودڑ کو بھی بھرپور پرسا ملتا تھا۔ بھنگن اپنے بچے کو دن بھر میں دو بار سے زیادہ دودھ نہ پلا سکتی۔ اس کے لیے اوپر کا دودھ مہیا کر دیا جاتا۔ بھنگن کا دودھ بابو صاحب کا بچہ پیتا تھا اور یہ سلسلہ بارھویں دن بھی بند نہ ہوا۔ مالکن موٹی تازی عورت تھی۔ مگر اب کی کچھ ایسا اتفاق کہ دودھ ہی نہیں۔ تینوں لڑکیوں کی بار اتنے افراط سے دودھ ہوتا تھا کہ لڑکیوں کو بدہضمی ہو جاتی تھی۔ اب کی ایک بوند نہیں۔ بھنگن جنائی بھی تھی اور دودھ پلائی بھی۔

مالکن نے کہا۔ "بھنگن ہمارے بچے کو پال دے۔ پھر جب تک جیے بیٹھی کھاتی رہنا۔ پانچ بیگھے معافی دلوا دوں گی۔ تیرے پوتے تک کھائیں گے۔"

اور بھنگن کا لاڈلا اوپر کا دودھ ہضم نہ کر سکنے کے باعث بار بار قے کرتا اور روز بروز لاغر ہوتا جاتا تھا۔ بھنگن کہتی "اور مونڈن میں جوڑے لوں گی بہو جی۔ کہے دیتی ہوں۔ بہو جی۔"

"ہاں ہاں جوڑے لینا بھائی دھمکاتی کیوں ہے۔ چاندی کے لے گی یا سونے کے۔"

"واہ بہو جی واہ! چاندی کے جوڑے پہن کے کسے منہ دکھاؤں گی۔

"اچھا سونے کے لینا بھئی کہتی تو ہوں۔"

"اور بیاہ میں کنٹھا لوں گی اور چودھری (گودڑ) کے لیے ہاتھوں کے توڑے۔"

بہو جی: "وہ بھی لینا۔ وہ دن تو بھگوان دکھائیں۔"

گھر میں مالکن کے بعد بھنگن کی حکومت تھی۔ مہریاں مہراجن، مزدورنیں سب اس کا رعب مانتی تھیں۔ یہاں تک کہ خود بہو جی اس سے دب جاتی تھیں۔ ایک بار تو اس نے مہیش ناتھ کو بھی ڈانٹا تھا۔ ہنس کر ٹال گئے۔ بات چلی تھی بھنگیوں کی۔ مہیش ناتھ نے کہا تھا "دنیا میں اور چاہے کچھ ہو جائے بھنگی بھنگی رہیں گے، انھیں آدمی بنانا مشکل ہے۔"

اس پر بھنگن نے کہا تھا۔ "مالک بھنگی تو بڑے بڑوں کو آدمی بناتے ہیں

انھیں کون، کوئی آدمی بنائے گا۔"

یہ گستاخی کر کے کسی دوسرے موقعے پر بھلا بھنگن سلامت رہتی۔ سر کے بال اکھاڑ لیے جاتے لیکن آج بابو صاحب ہنسے اور قہقہہ مار کر بولے۔

"بھنگن بات بڑے پتے کی کہتی ہے۔"

●

بھنگن کی حکومت سال بھر تک قائم رہی۔ پھر چھن گئی۔ بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا۔ اب برہموں نے بھنگی کا دودھ پینے پر اعتراض کیا۔ موٹے رام شاستری تو پرائشچت کی تجویز کر بیٹھے۔ لیکن مہیش ناتھ احمق نہ تھے۔ پھٹکار بتائی "پرائشچت کی خوب کہی آپ نے شاستری جی۔ کل تک اسی بھنگن کا خون پی کر پلا۔ اب پرائشچت کرنا چاہیے واہ۔"

شاستری جی بولے "بے شک کل تک بھنگن کا خون پی کر پلا۔ گوشت کھا کر پلا، یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ لیکن کل کی بات کل تھی آج کی بات آج ہے۔ جگن ناتھ پوری میں تو چھوت اچھوت سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ مگر یہاں تو نہیں کھا سکتے۔ کھچڑی تک کھا لیتے ہیں۔ بابو جی اور کیا کہیں۔ پوری تک نہیں رہ جاتے۔ لیکن اچھے ہو جانے پر تو نہیں کھا سکتے۔"

"تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دھرم بدلتا رہتا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔"

"اور کیا راجا کا دھرم الگ، پرجا کا دھرم الگ۔ امیر کا دھرم الگ، غریب کا دھرم الگ۔ راجا مہاراجے جو چاہیں کھائیں، جس کے ساتھ چاہیں کھائیں جس کے ساتھ چاہیں شادی بیاہ کریں۔ ان کے لیے کوئی قید نہیں۔ راجا ہیں مگر ہمارے اور تمھارے لیے تو قدم قدم پر بندشیں ہیں۔ اس کا دھرم ہے۔" پرائشچت تو نہ ہوا لیکن بھنگن سے اس کی سلطنت چھین لی گئی۔ برتن کپڑے، اناج اتنی کثرت سے ملے کہ وہ اکیلی نہ لے جا سکی اور سونے کے جوڑے بھی ملے اور ایک دو نئی اور خوبصورت ساڑھیاں، معمولی نین سکھ کی نہیں جیسی لڑکیوں کی بار ملی تھیں۔

●

اسی سال چیچک کا زور ہوا۔ گودڑ پہلے ہی زد میں آ گیا۔ بھنگن اکیلی ہی رہ گئی۔ مگر کام جوں کا توں چلتا رہا۔ بھنگن کے لیے گودڑ اتنا ضروری نہ تھا جتنا گودڑ کے لیے بھنگن، لوگ منتظر تھے کہ بھنگن اب گئی، اب گئی۔ فلاں بھنگی سے بات چیت ہوئی، فلاں چودھر آئے۔ لیکن بھنگن کہیں نہ گئی۔ یہاں تک کہ پانچ سال گزر گئے۔ اور منگل دبلا، کمزور اور دائم المرض رہنے پر دوڑنے لگا۔ ماں کا دودھ نصیب ہی نہ ہوا۔ دائم المرض کیوں نہ ہوتا۔

ایک دن بھنگن مہیش ناتھ کے مکان کا پرنالہ صاف کر رہی تھی۔ مہینوں سے غلاظت جمع ہو گئی تھی۔ آنگن میں پانی بھرا رہنے لگا تھا۔ پرنالے میں ایک لمبا بانس ڈال کر زور سے ہلا رہی تھی۔ پورا داہنا ہاتھ پرنالے کے اندر تھا کہ یکایک اس نے چلا کر ہاتھ باہر نکال لیا اور اسی وقت ایک لمبا سا کالا سانپ پرنالے سے نکل کر بھاگا۔ لوگوں نے دوڑ کر اسے تو مار ڈالا لیکن بھنگن کو نہ بچا سکے۔ خیال تھا کہ پانی کا سانپ ہے، زیادہ زہریلا نہ ہوگا۔ اس لیے پہلے کچھ غفلت کی گئی، جب زہر جسم میں پیوست ہوا اور لہریں آنے لگیں تب پتہ چلا کہ پانی کا سانپ نہیں کالا سانپ تھا۔

منگل اب یتیم تھا۔ دن بھر مہیش بابو کے دروازے پر منڈلایا کرتا۔ گھر میں اتنا جوٹھا بچتا تھا کہ ایسے ایسے دس پانچ بچے سیر ہو سکتے تھے۔ منگل کو کوئی تکلیف نہ تھی۔ ہاں دور ہی سے اسے مٹی کے ایک سکورے میں کھانا ڈال دیا جاتا اور گاؤں کے لڑکے اس سے دور دور رہتے تھے۔ یہ بات اسے اچھی نہ لگتی تھی۔ سب لوگ اچھے اچھے برتنوں میں کھاتے ہیں اس کے لیے مٹی کے سکورے۔ یوں اسے اس تفریق کا مطلق احساس نہ ہوتا لیکن لڑکے اسے چڑھا چڑھا کر اس ذلت کے احساس کو سان پر چڑھاتے کہ اتارے کپڑوں میں سے ایک تھی۔ جاڑا گرمی برسات ہر موسم کے لیے وہ ایک ہی آرام دہ تھی۔ یہی اس کی خصوصیت تھی اور سخت جان منگل جھلستی ہوئی لو اور کڑاکے کے جاڑے اور موسلا دھار بارش میں بھی زندہ تھا اور تندرست تھا۔ بس اس کا کوئی رفیق تھا تو گاؤں کا ایک کتا جو اپنے ہم چشموں کی بدمزاجیوں اور تنگ ظرفیوں سے تنگ آ کر منگل کے زیر سایہ آ پڑا تھا۔ کھانا دونوں کا ایک تھا کچھ طبیعت بھی یکساں تھی اور غالباً دونوں ایک دوسرے کے مزاج سے واقف ہو گئے تھے، منگل نے اس کا نام رکھا تھا ٹامی مگر ٹامی مہیش ناتھ کے انگریزی کتے کا نام تھا۔ اس لیے اس کا استعمال وہ اسی وقت کرتا جب دونوں رات کو سونے لگتے۔

ذرا اور کھسک کر سوؤ، آخر میں کہاں لیٹوں، سارا ٹاٹ تو تم نے گھیر لیا۔

ٹامی کوں کوں کرتا اور دم ہلاتا۔ بجائے اس کے کہ کھسک جائے اور اوپر چڑھ آتا۔ اور منگل کا منہ چاٹنے لگتا۔ شام کو وہ ایک بار روز اپنا گھر دیکھنے اور تھوڑی دیر رونے جاتا۔ پہلے سال پھوس کا چھپر گرا۔ دوسرے سال ایک دیوار گری اور اب صرف آدھی دیواریں کھڑی تھیں۔ جس کا اوپر کا حصہ نوک دار ہو گیا تھا۔ یہیں اسے محبت کی دولت ملی تھی۔ وہی مزا، وہی یاد، وہی کشش اسے ایک بار ہر روز اس ویرانے میں کھینچ لے جاتی اور ٹامی ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ کھنڈر کی مخروطی دیوار پر بیٹھ جاتا اور زندگی کے آنے والے اور گذشتہ خواب دیکھنے لگتا اور ٹامی دیوار پر کود جانے کی بار بار ناکام کوشش کرتا۔

●

ایک دن کئی لڑکے کھیل رہے تھے۔ منگل بھی پہنچ کر دور کھڑا ہو گیا۔

سریش کو اس پر رحم آیا یا کھیلنے والوں کی جوڑی پوری نہ پڑتی تھی۔ کچھ ہی ہو اس نے تجویز کی کہ آج منگل کو بھی کھیل میں شریک کر لیا جائے، یہاں کون دیکھنے آتا ہے۔

سریش نے منگل سے پوچھا۔ کیوں رے کھیلے گا؟

منگل بولا "کھلاؤ گے تو کیوں نہ کھیلوں گا؟"

سریش نے کہا "اچھا تو ہم تینوں سوار بنتے ہیں اور تم ٹٹو بن جاؤ۔ ہم لوگ تمھارے اوپر سوار ہو کر گھوڑا دوڑائیں گے۔"

منگل نے پوچھا۔ "میں برابر گھوڑا ہی رہوں گا کہ سواری بھی کروں گا۔"

یہ مسئلہ ٹیڑھا تھا، سریش نے ایک لمحے غور کر کے کہا۔ "تجھے کون اپنی پیٹھ پر بٹھائے گا۔ سوچ آخر تو بھنگی ہے کہ نہیں۔"

منگل نے کسی قدر دلیر ہو کر کہا "میں کب کہتا ہوں کہ میں بھنگی نہیں ہوں لیکن جب تک مجھے بھی سواری کرنے کو نہ ملے گی میں گھوڑا نہ بنوں گا۔ تم لوگ سوار بنو گے اور میں گھوڑا ہی بنا رہوں گا۔"

سریش نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تجھے گھوڑا بننا پڑے گا۔" اس نے منگل کو پکڑنا چاہا۔ منگل بھاگا سریش بھی دوڑا۔ منگل نے قدم اور تیز کیے۔ سریش نے بھی زور لگایا مگر بسیار خوری نے اسے تھل تھل بنا دیا تھا اور دوڑنے سے اس کا سانس پھولنے لگتا تھا۔ آخر سریش نے رک کر کہا "آکر گھوڑا بنو ورنہ کبھی پاؤں گا تو بُری طرح پیٹوں گا۔"

"تمھیں بھی گھوڑا بننا پڑے گا۔"

"اچھا ہم بھی بن جائیں گے۔"

"تم بعد میں بھاگ جاؤ گے اس لیے پہلے تم بن جاؤ۔ میں سواری کرلوں، پھر میں بنوں گا۔"

سریش نے چکمہ دیا۔ منگل نے اس کے مطلب کو برہم کر دیا۔ ساتھیوں سے بولا۔ "دیکھو اس کی بدمعاشی۔ بھنگی ہے۔" تینوں نے اب کے منگل کو گھیر لیا اور زبردستی گھوڑا بنا دیا۔ سریش اپنا وزنی جسم لے کر اس کی پیٹھ پر بیٹھ گیا اور ٹک ٹک کر کے بولا۔ "چل گھوڑے چل" مگر اس کے بوجھ کے نیچے غریب منگل کے لیے ہلنا بھی مشکل تھا، دوڑنا تو دور کی بات تھی۔ ایک لمحے تو وہ ضبط کیے چوپایہ بنا کھڑا رہا لیکن ایسا معلوم ہونے لگا کہ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی جاتی ہے۔ اس نے آہستہ سے پیٹھ سکوڑی اور سریش کی ران کے نیچے سے سرک گیا۔ سریش گد سے گر پڑے اور بھونپو بجانے لگے۔ ماں نے سنا سریش کیوں رو رہا ہے۔ گاؤں میں کہیں سریش روئے ان کے ذکی الحس کانوں میں ضرور آواز آ جاتی تھی اور اس کا رونا تھا بھی دوسرے لڑکوں سے بالکل نرالا۔ جیسے چھوٹی لائن کے انجن کی آواز۔

ایک منٹ میں سریش آنکھیں ملتا ہوا گھر میں آیا۔ آپ کو جب کبھی رونے کا اتفاق ہوتا تھا تو گھر میں فریاد لے کر ضرور آتے تھے۔ ماں چپ کرانے کے لیے کچھ نہ کچھ دے دیتی تھی۔ آپ تھے تو آٹھ سال کے مگر بہت بیوقوف، حد سے زیادہ پیارے۔ ماں نے پوچھا۔ کیوں رو رہا ہے سریش؟ کس نے مارا؟ سریش نے روتے ہوئے کہا "منگل نے چھو دیا۔"

پہلے تو ماں کو یقین نہ آیا لیکن جب سریش قسمیں کھانے لگا تو یقین لانا لازم ہو گیا۔ اس نے منگل کو بلوایا اور ڈانٹ کر بولی کیوں رے منگلو! اب تجھے بدمعاشی سوجھنے لگی۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ سریش کو چھونا نہیں۔ یاد ہے کہ نہیں، بول۔ منگل نے دبی آواز سے کہا "یاد ہے۔"

"تو پھر تو نے اسے کیوں چھوا؟"... "تو نے نہیں چھوا تو یہ روتا کیوں تھا؟"

"یہ گر پڑے اس لیے رونے لگے۔"

"چوری اور سینہ زوری۔" دیوی دانت پیس کر رہ گئیں۔ ماریں تو اسی وقت اشنان کرنا پڑتا۔ چھڑی تو ہاتھ میں لینا ہی پڑتی اور چھوت کی برقی رو چھڑی کے راستے ان کے جسم میں سرایت کر جاتی، اس لیے جہاں تک گالیاں دے سکیں، دیں اور حکم دیا کہ "ابھی وقت یہاں سے نکل جا۔ پھر جو تیری صورت نظر آئی تو خون ہی پی جاؤں گی۔ مفت کی روٹیاں کھا کھا کر شرارت سوجھتی ہے۔"

منگل میں غیرت تو کیا ہو گی، خوف تھا۔ چپکے سے اپنے سکورے اٹھائے، ٹاٹ کا ٹکڑا بغل میں دبایا دھوتی کندھے پر رکھی اور روتا ہوا وہاں سے چل پڑا۔ اب وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا۔ یہی تو ہو گا کہ بھوکوں مر جاؤں گا۔ کیا حرج ہے۔ اس طرح جینے سے فائدہ ہی کیا۔ گاؤں میں اور کہاں جاتا۔ بھنگی کو کون پناہ دیتا۔ وہی اپنے بے در و دیوار کی آڑ تھی جہاں پچھلے دنوں کی یادیں اس کے آنسو پونچھ سکتی تھیں۔ وہیں جا کر پڑ رہا اور خوب پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ ٹامی بھی اسے ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔

لیکن جوں جوں شام ہوتی گئی اس کا احساسِ ذلت بھی غائب ہوتا گیا۔ بچپن کی بے تاب کرنے والی بھوک جسم کا خون پی پی کر اور بھی بے پناہ ہوتی جاتی تھی۔ آنکھیں بار بار سکوروں کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس نے مشورۃً ٹامی سے کہا کھاؤ گے کیا؟ میں تو بھوکا ہی لیٹ رہوں گا۔ ٹامی نے کوں کوں کر کے شاید کہا "اس طرح کی ذلتیں تو ساری زندگی سہنی ہیں۔" پھر ذرا دیر میں دم ہلاتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا، ہماری زندگی اسی لیے ہے بھائی۔"

منگل بولا۔ "تم جاؤ جو کچھ مل جائے کھا لو۔ میری پروا نہ کرو۔" ٹامی نے پھر اپنی سکستانی بولی میں کہا، اکیلا نہیں جاتا تمھیں ساتھ لے چلوں گا۔ ایک لمحہ بعد بھوک نے تالیف کا ایک نیا پہلو اختیار کیا "مالکن تلاش کر رہی ہوں گی۔ کیوں ٹامی؟ اور کیا بابوجی اور سریش کھا چکے ہوں گے، کہار نے ان

کی تھالی کا جوٹھا نکال لیا ہو گا اور ہمیں پکار رہا ہو گا۔"

..."بابو جی اور سریش دونوں کی تھالیوں میں گھی اور میٹھی چیز ہاں ملائی، ہماری آواز نہ سنائی دے گی۔ تو سب کا سب گھورے پر ڈال دیں گے۔ ذرا دیکھ لیں کہ ہمیں پوچھنے آتا ہے۔ یہاں کون پوچھنے آئے گا۔ کوئی برہمن ہو۔"

"اچھا چلو تو وہیں چلیں مگر چھپے ہوئے رہیں گے۔ اگر کسی نے نہ پکارا تو میں لوٹ آؤں گا۔ یہ سمجھ لو۔"

دونوں وہاں سے نکلے اور آکر مہیش ناتھ کے دروازے پر ایک کونے میں دبک کر کھڑے ہو گئے۔ ٹامی شاید اِدھر اُدھر کی خبر لانے چلا گیا۔ مہیش بابو تھالی پر بیٹھ گئے تھے۔ نوکر آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "آج منگلو نہیں دکھائی دیتا۔ بھوکا ہو گا بے چارہ۔ مالکن نے ڈانٹا تھا۔ اسی لیے بھاگا تھا شاید۔" منگل کے جی میں آیا، چل کر اس آدمی کے قدموں پر گر پڑے۔ دوسرے نے جواب دیا۔ "اچھا ہوا نکالا گیا۔ نہیں تو سبیرے سبیرے بھنگی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔" منگل اور اندھیرے میں کھسک گیا۔ اب کیا امید کی جاسکتی تھی۔ مہیش اور سریش تھالی سے اُٹھ گئے۔ نوکر ہاتھ منہ دھلا رہا ہے۔ اب بابو جی حقہ پئیں گے۔ سریش سوئے گا۔ غریب منگل کی کسے فکر ہے۔ اتنی دیر ہو گئی کسی نے نہیں پکارا۔ کون پکارے گا۔ منگل آدھ گھنٹے تک وہاں دبکا رہا۔ کسی نے اس کا نام نہ لیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور جانا چاہتا تھا کہ اس نے اسی کہار کو ایک تھال میں جوٹھا کھانا لے جاتے دیکھا۔ شاید گھورے پر ڈالنے جا رہا تھا۔ منگل اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آگیا۔ اب صبر نہ ہو سکتا تھا۔ کہار نے کہا "ارے تو یہاں تھا۔ ہم نے کہا کہیں چلا گیا، لے کھالے میں پھینکنے لے جا رہا تھا۔" منگل نے کہا میں تو بڑی دیر سے یہاں کھڑا تھا۔ کہار نے کہا "تو بولا کیوں نہیں۔" منگل بولا۔ "ڈر لگتا تھا۔" منگل نے کہار کے ہاتھ سے تھال لے لیا اور اسے ایسی نظر سے دیکھا جس میں شکر اور احسان مندی کی ایک دنیا چھپی ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں نیم کے درخت کے نیچے حسبِ معمول کھانے لگے۔ منگل نے ایک ہاتھ سے ٹامی کا سر سہلا کر کہا۔ "دیکھا پیٹ کی آگ ایسی ہوتی ہے۔ لات کی ماری ہوئی روٹیاں بھی نہ ملتیں تو کیا کرتے؟" ٹامی نے دم ہلائی۔ "سریش کو اماں ہی نے پالا ہے ٹامی۔"

ٹامی نے پھر دم ہلا دی۔ "لوگ کہتے ہیں دودھ کا دام کوئی نہیں چکا سکتا۔" ٹامی نے پھر دم ہلا دی۔ "اور مجھے دودھ کا یہ دام مل رہا ہے۔" ٹامی نے پھر دم ہلا دی۔

("پریم چند کی کہانیاں"، مرتبہ جوگندر پال سے ایک کہانی)

□□□

انتخاب غزلیات میر

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

میر تقی میر کی شاعری کا منظر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔

دوسری اشاعت

255 صفحات قیمت: 62 روپے

اردو کی کہانی

سیّد احتشام حسین

بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیمِ بالغاں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں اہلِ قلم کی 61 تصویریں بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن

104 صفحات قیمت: 21 روپے

امریکی ادب کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر سلامت اللہ خاں

انیسویں صدی سے امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تدریجی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

دوسرا ایڈیشن

192 صفحات قیمت: 52 روپے

اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ

پروفیسر محمد حسن

ادبی سماجیات ایک نئے علم کی حیثیت سے حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ادبی سماجیات کے مطالعے کی پہلی کوشش ہے جو اس کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔

پہلی اشاعت

334 صفحات قیمت: 98 روپے

اردو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان

ڈاکٹر کمال احمد صدیقی

مصنف برسوں تک آل انڈیا ریڈیو میں ذمے دارانہ عہدوں پر رہے ہیں، انھوں نے باریک بینی کے ساتھ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان پر گفتگو کی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے قلم کاروں کے لیے یہ کتاب خصوصی افادیت رکھتی ہے۔

پہلی اشاعت

646 صفحات قیمت: 200 روپے

اردو ڈراموں کا انتخاب

مرتب: پروفیسر محمد حسن

1947ء سے 1990 تک اردو میں لکھے جانے والے ڈراموں کا ایک نمائندہ انتخاب جن میں تاریخی، نیم تاریخی، سماجی اور سراسر تمثیلی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں فاضل مرتب نے ڈرامے کے فن اور اس کی روایت پر بھرپور گفتگو کی ہے۔

پہلی اشاعت

600 صفحات قیمت: 156 روپے

جگن ناتھ آزاد

ادیب اور ادبی تخلیق

جہاں تک ادبی تخلیق کا تعلق ہے میرے نزدیک تخلیق کی بہ نسبت وہ عمل زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو کسی ادبی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔ شاعری ہو یا نثر اس کے اسالیب، اس کے عناصر ترکیبی، اس کی ہیئت اور اس کے معانی کا انحصار میری رائے میں اُس Process پر ہوتا ہے جس سے فنکار کا شعور ایک فن پارے کی تخلیق کے دوران میں گزرتا ہے۔ غالب نے جب یہ کہا تھا

مانہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

تو وہ فن شعر سے اپنی بے نیازی کا اظہار نہیں کر رہے تھے نہ ہی تخلیق شعر سے اپنی کسی طرح کی بیگانگی کی طرف اشارہ کر رہے تھے بلکہ انتہائی فنکارانہ طور پر وہ اس تخلیقی عمل کا ذکر کر رہے تھے جو شعر کو معرض وجود میں لانے کا سبب بنتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ شعر میں آمد اور آورد کے فرق پر بھی روشنی ڈال رہے تھے۔ اس نازک مسئلے پر عرفی نے اور زیادہ کھل کر بات کی ہے۔ عرفی ایک بڑے شاعر تھے لیکن اُن کے اندر چھپا ہوا نقاد بھی کوئی معمولی نقاد نہیں تھا، ایک بڑا نقاد تھا اور جب وہ یہ شعر کہہ رہے تھے:

دردل ماغم دنیا غم معشوق شود
بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

تو دراصل ان کے اندر کا نقاد اس شعر کے پردے میں ہم سے بات کر رہا تھا اور تخلیق شعر اور تخلیق شعر سے قبل کے عمل پر اپنا نقطہ نگاہ بیان کر رہا تھا، خواہ یہ عمل شعوری ہو یا اس کا تعلق تحت الشعور سے ہو۔ یہاں اس مسئلے کو زیر بحث لانے سے کہ شعور، تحت الشعور اور غیر شعور کا باہمی تعلق کیا ہے بات اپنے اصلی مقصد سے دور جا پڑے گی لہٰذا اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے عرفی کے مذکورہ شعر پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو فن کے بارے میں اس کا یہ زاویۂ نگاہ وضاحت سے ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ جب تک غم دنیا کی کچی شراب، دل کے شیشے میں آکر غم معشوق کی پختہ شراب کی صورت اختیار نہیں کر لیتی اس وقت تک یہ کوئی مستی اور کوئی کیفیت پیدا کرنے کی صلاحیت سے بیگانہ رہتی ہے۔ شیشۂ دل کا عمل دراصل وہی فکر اور وجدان کا مشترکہ عمل ہے جس کا ذکر کر گلڈ رنے ان اشعار میں کیا ہے:

"مجھے ایک موضوع دے دو۔" چھوٹے شاعر نے کہا
اور پھر دیکھو میں اس کے ساتھ کیسے انصاف کرتا ہوں۔"
"دراصل تمھیں موضوع کی نہیں۔" دنیا نے جواب دیا
"بلکہ دل کی ضرورت ہے۔"

("Give me a theme", The little poet cried
"And I will do my part."
"It is not the theme", The world replied
"You need a heart."

یہ دل دراصل وہی عمل ہے جسے عرفی نے "شیشۂ ما" سے تعبیر کیا ہے اور جو اقبال کے یہاں قدم قدم پر "دل ناصبور" یا "خونِ جگر" کی ترکیبوں کے روپ میں ملتا ہے۔ مثلاً:

تیری متاع حیات علم و ہنر کا سرور
میری متاع حیات ایک دل ناصبور

یا

قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

اقبال کا یہ "دلِ ناصبور" یا عرفی کا "شیشۂ ما" تخلیقِ شعر یا تخلیقِ نثر کا صرف پس منظر ہی نہیں ہے بلکہ تخلیقِ شعر یا تخلیقِ نثر کے وقت پس منظر کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو کر ایک فن پارے کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کا تعلق صرف تخلیقِ شعر یا تخلیقِ نثر ہی کے ساتھ نہیں وہ فن پارہ تاج محل بھی ہو سکتا ہے اور اہرام مصر بھی، عبدالرحمن چغتائی کی مصوری بھی اور اودے شنکر کا رقص بھی، جنوبی ہند کے مندر بھی اور مسجد قرطبہ بھی، اجنتا اور ایلورا بھی اور چھوٹے بڑے بُت اور سنگتراشی کے نمونے بھی۔

اجنتا اور ایلورا کا ذکر آگیا ہے تو اس ضمن میں ایک چھوٹا سا واقعہ بھی سن لیجیے۔ جب میں اوّل اوّل تصویروں اور سنگتراشی کے نمونوں کو دیکھنے کے شوق میں اورنگ آباد سے روانہ ہوا تو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی نہ جانے کتنی بار ان تصویروں اور بتوں کو اپنے تصور میں بنتے سنورتے دیکھا۔ ان سے ہم کلام ہوا اور اگرچہ میں اپنے قدم آگے بڑھا رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں ماضی کی طرف گامزن ہو کر اس دور کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب بدھ فنکاروں کے تیشے اس پہاڑ کے فولادی سینے پر سرگرم عمل تھے اور اس نگار خانے پر ایک نظر ڈالتے ہی میرے خیالات وافکار ایک طویل نظم کی صورت میں ظاہر ہوئے تو وہ نظم جس کی تخلیق میں اجنتا کی تصویروں اور ایلورا کے بتوں کے درمیان گھوم پھر کے کر رہا تھا دراصل اس تحت الشعوری عمل کا

نتیجہ تھی جو بہت پہلے ان بتوں کے اشتیاقِ دید میں شروع ہوچکا تھا۔ میں اس وقت اس نظم کے چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پس منظر یہ ہے کہ اجنتا کے ایک بُت پر میری نظر پڑتی ہے تو بے اختیار اس سے بات چیت کرنے کو جی چاہتا ہے اور میں اُس سے پوچھتا ہوں۔

اے بُتِ سنگیں دل و سنگیں رُخ و سنگیں بدن
جس کا تو اِک پھول ہے آخر کہاں ہے وہ چمن
کون سی دنیا کا آدم ہے تو کس دریا کی موج
کس سمندر کا صدف ہے کس تخیل کا ہے اَوج
وقت کے پتھر پہ تیرا نقش ہے نقشِ دوام
السّلام اے ہند کے اوجِ تخیل السّلام
یہ بتا آنے سے پہلے عالمِ اسرار میں
تو دلِ کہسار میں تھا یا دلِ فن کار میں

اور وہ بُت جواب میں مجھ سے کہتا ہے:

میں کبھی فن کار کے سینے میں تھا محوِ خروش
جس طرح افکار تیرے دل میں ہیں طوفاں بدوش
عالمِ افکار کو کاغذ پہ لے آتا ہے تو
مجھ کو اس عالم میں لے آیا مرا ذوقِ نمو
جب دلِ فنکار میں میری تڑپ بڑھنے لگی
میرے ارمانوں کی ندی زور سے چڑھنے لگی
تیشۂ فن کار نے سنگِ گراں کا رُخ کیا
فکرِ آدم نے حیاتِ جاوداں کا رُخ کیا
ضربِ کاری تیشۂ فن کار کی کہسار پر
چھا گئیں گویا بہاریں دامنِ گلزار پر

یہ گویا تخلیقِ فن کے بارے میں میرا زندگی بھر کا نظریہ تھا جو اُس وقت شعر کا لباس پہن کر سامنے آرہا تھا۔

تخلیقِ شعر سے پہلے کے جس عمل کا ذکر میں نے کیا ہے اس کا تعلق صرف ان نظریات کے ساتھ نہیں ہے جو کسی فن کار کے زندگی بھر کے نظریات رہے ہوں۔ اس عمل کا تعلق اس ایک لمحے کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے جس پر اس سماج کی زندگی کا مدار ہو جس میں وہ فن کار سانس لے رہا ہے اور زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایسا لمحہ ہر فن کار کی زندگی میں آسکتا ہے بلکہ آتا ہے اور اس لمحے سے اور اس کی ضروریات سے غافل ہونا، فن کار کے شعورِ زیست سے عاری ہونے کی دلیل ہے۔

میں اس بات کو یوں واضح کروں گا کہ ملکوں کے درمیان جنگ ایک محمود عمل نہیں ہے اور فن کار عام طور پر امن کے حق میں اور جنگ کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہے۔ میرا خود بھی یہی اندازِ فکر رہا ہے لیکن خدا نہ کرے میرے ملک پر اگر باہر سے جنگ ٹھونس دی جائے اور اس وقت میں امن کا راگ الاپنا شروع کروں تو صریحاً میں اپنے ملک اور اپنے فن دونوں کے ساتھ عدمِ خلوص کا مرتکب ہو رہا ہوں گا۔

یہ ضروری نہیں کہ اس طرح کا لمحہ صرف جنگ کی صورت میں پیدا ہو۔ امن کے دنوں میں بھی ایسی صورتِ حال نمودار ہو سکتی ہے جب ایک فن کار کو پورے طور سے اپنے شعور کو بروئے کار لا کر یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ اسے اس وقت خاموش رہنا ہے یا صحت مند اور ترقی پسند قوتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اپنی نوا کو تلخ تر بنانا ہے اور اپنی حدی کو تیز تر کرنا ہے۔

□□□

A-25, Govt. Quarters,
Gandhi Nagar,
Jammu Tawi -180004

بچوں کے لیے

بھارت کی لوک کتھائیں
تین جلدوں میں
بازگو: ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی
قیمت فی جلد : 12روپے

رابن ہڈ کے کارنامے
ترجمہ و تلخیص : ایم ندیم
قیمت : 15روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی110066

سیّد انوار الحق حقی / محمد ہاشم قدوائی

'جدید سیاسی فکر' سے اقتباس

سرودیہ — نظریہ اور تحریک

"سرودیہ" کے معنی ہیں فلاحِ عام۔ سرودیہ تحریک کا مقصد سب کے لیے فلاح و بہبود کا حصول ہے۔ اس کے برعکس اشتراکیت کے مختلف مکاتبِ فکر محض ایک طبقے یعنی محنت کشوں کی فلاح و بہبود میں دلچسپی رکھتے ہیں اور سرمایہ داروں کا خاتمہ چاہتے ہیں کیوں کہ ان کے خیال میں ساری سماجی برائیوں کی جڑ نجی ملکیت اور سرمایہ داری ہے۔ اشتراکیت کے تحت فرد کے مفادات کو سماج کے مفاد اور بہبود کے لیے قربان کر دیا جاتا ہے، لیکن سرودیہ کا مقصد سبھی کی بھلائی ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی بھید بھاؤ یا تفریق نہیں کی جائے گی کیوں کہ اس فلسفے کے مطابق سبھی کو سدھار کی ضرورت ہے۔ ونوبا بھاوے جو گاندھی جی کے بعد اس تحریک کے روحِ رواں ہیں، کا کہنا ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کو سدھار کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص پستی میں گر چکا ہے۔ سرمایہ دار بہت پہلے سے پستی میں گر چکے ہیں اور نادار اوپر بالکل نہیں اٹھے ہیں۔ دونوں کے سدھار کی ضرورت ہے۔ دولت مند اخلاقی اور روحانی دونوں اعتبار سے پستی میں گر چکے ہیں۔ ان کی ساری دولت تمام تر مفلسوں کے استحصال سے، جبر و تشدد سے اور ناجائز ذرائع سے حاصل ہوئی ہے۔ اگر وہ اپنی خوشی سے یا بہ رضا و رغبت اس سے دست بردار ہو جائیں تو وہ روحانی اعتبار سے بہت بلند ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرودیہ کے معنی ہیں مفلسوں کا مادی اعتبار سے اور دولت مندوں کا روحانی اعتبار سے سدھار۔

یہ فلسفہ گاندھی جی کے سچائی، اہنسا اور جائز ذرائع کے اصولوں کو عملی شکل دے کر ایک نیا سماجی نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس میں طبقے یا مذہب یا رنگ یا جنس یا زبان کی بنیاد پر تفریق نہیں ہوگی اور جس میں کسی قسم کا استحصال نہیں ہوگا اور جس میں افراد اور گروہوں کو ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ اس سماج میں موجودہ نابرابری کی جگہ برابری ہوگی اور مسابقت کی جگہ تعاون اور منافرت، عناد اور تصادم کی جگہ محبت، خیر سگالی اور نیکی کے جذبات کا دور دورہ ہوگا۔ غرضیکہ سرودیہ سماج میں انسانی زندگی کی قدروں میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ اس سماج کے ارکان اپنے حوائج کو کم سے کم کریں گے اور اپنے جذبات پر پورا قابو رکھیں گے۔ اس سماج میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا جو موجودہ جمہوریتوں کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ اس سماج کے افراد سماجی فرائض کی آوری میں تن دہی سے مصروف رہیں گے۔ اکثریت اور اقلیت کے جھگڑے انھیں تنظیموں میں اُٹھتے ہیں جہاں ساری قوت اس پر صرف کی جاتی ہے کہ کس طرح حکومت کے اقتدار و اختیار پر قابض ہوا جائے اور اس کے لیے ہر حربہ خواہ جائز ہو یا ناجائز، استعمال کیا جاتا ہے اور اسے جائز سمجھا جاتا ہے۔ شخصی، گروہی یا طبقاتی مفاد اجتماعی مفاد پر بالاتر سمجھا جاتا ہے، اسی لیے لوگ اپنے کو متحارب اور مخالف سیاسی پارٹیوں میں منظم کرتے ہیں اور ساری تگ و دو اس کے لیے ہوتی ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔ سرودیہ سماج کا طرزِ عمل بالکل اس کے برعکس ہوگا۔ اس میں لوگ اپنی ذاتی خواہشات کے بجائے دوسروں کی خواہشات کا لحاظ رکھیں گے۔ اس سماج میں اکثریت اور اقلیت کا سوال اس لیے بھی نہیں پیدا ہوگا کہ اس میں فیصلے اکثریتی رائے سے نہیں بلکہ اتفاقِ رائے سے کیے جائیں گے۔ ہر مسئلے پر غور و خوض کیا جائے گا اور موافق و مخالف دونوں دلیلوں پر غور کیا جائے گا اور اس کے بعد اتفاقِ رائے تک پہنچا جائے گا۔ فیصلے اس نقطۂ نظر سے کیے جائیں گے کہ اس سے سارے سماج کو فائدہ پہنچے، نہ کہ کسی ایک طبقے کو۔

سرودیہ کا فلسفہ گاندھی جی کے اصولوں یعنی لامرکزیت، گرام راج، اہنسا اور سچائی کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے اور یہ آزادی، مساوات، انصاف اور اخوت کی قدروں پر زور دیتا ہے اور یہ مملکت کا شدید مخالف ہے کیوں کہ اس کے نزدیک مملکت ایسا میکانکی ذریعہ ہے جس کے ذریعے ان لوگوں کی مرضی کو جو جوڑ توڑ، چال بازی اور مکاری کے ذریعے حکومت کی مشینری پر قابض ہوتے ہیں، عام لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے اور چونکہ اکثر و بیشتر دھمکی، منظم تشدد اور جبر و تعزیر کے ذریعے ہی مملکت اپنا کام چلاتی ہے اس لیے گاندھی جی اصولاً مملکت کے خلاف تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ انسان اپنے اوپر خود آپ حکومت کرے۔ اسے وہ "سوراج" کہتے تھے۔ اس کی بنیاد ان کے نزدیک لوگوں کی اخلاقی سیادت پر تھی۔ سرودیہ کا مقصد اقتدار کی سیاست کی جگہ تعاون کی سیاست کو رائج کرنا ہے۔

غیر جماعتی جمہوریت

موجودہ جمہوری مملکتوں میں حکومت لازمی طور سے کسی سیاسی پارٹی یا سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کی حکومت ہوتی ہے۔ ان ملکوں میں ساری سیاست پارٹی یا جماعتی سیاست ہوتی ہے۔ یعنی مختلف سیاسی پارٹیاں اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف رہتی ہیں۔ ہر پارٹی سیاسی اقتدار پر قابض ہونے کی جدوجہد کرتی

ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلطانی جمہور ہونے کے بجائے برسر اقتدار پارٹی کی حکمرانی ہوتی ہے اور اس کے سامنے عوام بے بس ہوتے ہیں اور رائے عامہ بے اثر ہوتی ہے۔ انتخابات کے زمانے میں اس بلا کا پروپیگنڈا ہوتا ہے کہ ووٹر صحیح رائے قائم نہیں کرسکتے کہ کون حمایت کا زیادہ مستحق ہے۔ ناجائز ذرائع کا استعمال کر کے اور جذبات سے اپیل کر کے ووٹروں کو اس طرح متاثر کیا جاتا ہے کہ وہ عموماً اچھے امیدواروں کو منتخب نہیں کرپاتے۔ چنانچہ نمائندہ حکومت کے نظام میں اقتدار کا اصل سرچشمہ سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں اور رائے دہندگان محض ان کے آلۂ کار بن کر رہ جاتے ہیں۔ سرودیہ کا فلسفہ اس جمہوریت کے خلاف ہے جو عملاً کابینہ یا برسر اقتدار سیاسی پارٹی کی آمریت کے مترادف ہوتی ہے۔ ان خرابیوں کے پیش نظر سرودیہ کے ماننے والے غیر جماعتی جمہوریت کا تصور پیش کرتے ہیں۔ اس طرح کی جمہوریت قائم کرنے کے لیے چار طریقے تجویز کیے گئے ہیں:

(1) ہندوستان کے تمام گاؤں جن کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر ہے، میں سے ہر گاؤں اپنے یہاں کے بہترین کارکنوں کو گاؤں کے اتفاق رائے سے گاؤں پنچایت کے ارکان کی حیثیت سے منتخب کرے گا۔ یہ کارکن گاؤں والوں کے معتمد ہوں گے اور ان کی نامزدگی کا طریقہ غیر جماعتی جمہوریت کے تصور کو عملی شکل دے گا اور سماجی خدمت کے جذبے کو تقویت ملے گی۔ کئی گاؤوں کو ملا کر اسی طرح سے تھانہ پنچایت تشکیل کی جائے گی۔ تھانہ پنچایت کے ارکان ضلع پنچایت کے ارکان منتخب کریں گے، ضلع پنچایتوں کے ارکان صوبائی پنچایت کو اور صوبائی پنچایتوں کے ارکان مرکزی یا قومی پنچایت کے ارکان کو چنیں گے۔ اس طرح ملک کو انتخابات اور انتخابی بحرانوں، بدعنوانیوں اور جماعتی سیاست کی جملہ لعنتوں سے نجات مل جائے گی۔ یہ پنچایتیں اپنی اپنی جگہ کام کریں گی۔ اس طریقے سے جماعتی سیاست اور انتخابی جوڑ توڑ کے بجائے اجماع اور اتفاق کے اصول پر عمل کیا جائے گا اور فیصلے اکثریتی رائے کے بجائے اجماع سے کیے جائیں گے۔

اس طریقے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ غیر جماعتی جمہوریت کا طریق انتخاب بالواسطہ ہوگا۔ یعنی موجودہ پارلیمنٹ کی لوک سبھا کی طرح مرکزی پنچایت کے ارکان براہ راست علاقائی حلقوں سے نہیں منتخب ہوں گے بلکہ بالواسطہ طور سے منتخب ہوں گے۔

(2) قومی معاملات میں جماعتی وفاداریوں اور تعصبات سے قطع تعلق کر کے حصہ لیا جائے گا۔ اس طرح سے جماعتی سیاست ختم ہو جائے گی۔ سرودیہ کے ماننے والے موجودہ جماعتی سیاست سے الگ رہیں گے، نہ کسی انتخاب میں بطور امیدوار کھڑے ہوں گے نہ کسی مجلس قانون کی رکنیت کے لیے مقابلہ کریں گے۔ وہ فقط انتخابات میں اپنے ضمیر کے مطابق پارٹی لیبل سے قطع نظر بہترین امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔

(3) سرودیہ کے کاموں میں حصہ لینے پر دوسری جماعتوں سے تعاون کیا جائے اور ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔ جب مختلف پارٹیوں کے کارکن سرودیہ کارکنوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے تو انھیں اس کا احساس ہوگا وہ سب متحد ہو کر وہ انقلاب لاسکتے ہیں جسے سرودیہ تحریک لانا چاہتی ہے۔ وہ سب سرودیہ کے نصب العین کے حصول پر متفق ہو جائیں گے۔

(4) مجلس قانون کے رکن منتخب ہونے کے بعد منتخب ارکان اپنے اپنے پارٹی لیبل کو ترک کردیں گے اور ان مجلسوں کی کارروائیوں میں پارٹی وھپ (پارٹی کی ہدایت) سے آزاد رہ کر اپنے ضمیر کے مطابق حصہ لیں۔ وزرا کو پارٹی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ارکان کی اکثریت رائے سے مقرر کیا جائے گا۔

لامرکزیت اور گرام راج

سرودیہ تحریک لامرکزیت پر زور دیتی ہے، کیوں کہ گاندھی جی سیاسی اقتدار کے ایک جگہ مرتکز ہونے کے مخالف تھے۔ وہ سیاسی اور اقتصادی دونوں میدانوں میں لامرکزیت کے قائل تھے۔ وہ اس کے بالکل قائل نہ تھے کہ پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعے ملک کے اندر کوئی بنیادی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنے معاملات کی خود نگرانی کرسکیں اور انھیں اس کے لیے پوری تربیت دی جائے، یہی جمہوریت ہوگی۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر گاؤں میں ایسے ایثار پیشہ اور بے لوث کارکن موجود ہوں جو لوگوں کی اس میں مدد کریں کہ وہ کس طرح اپنے معاملات کو حل کریں۔ ان کارکنوں کو لوگوں کا ہمدرد اور بھائی ہونا چاہیے نہ کہ حاکم اور سربراہ۔ لوگوں کی ہر قسم کی مدد کرتے رہنے سے وہ لوگوں کے اندر سیاسی شعور بھی پیدا کرسکتے ہیں۔ بدقسمتی سے انگریزوں کے دور حکومت میں لوگ ہر بات کے لیے حکومت اور حکومت کے کارندوں کے محتاج ہو گئے تھے۔ اس سے ملک کو زبردست نقصان پہنچا۔ گاندھی جی نے اس خرابی کے ازالے کا یہ حل سوچا کہ ہر گاؤں پنچایت اپنے بنائے ہوئے قوانین کے ذریعے اپنے معاملات چلائے۔ یہی سرودیہ کا اصول ہے۔ اس اصول کے تحت گاؤں پنچایت کا خاص فرض یہ ہے کہ وہ دیہی اور سماجی جمہوریت کے لیے تربیتی مرکز بنیں۔ سرودیہ کے فلسفے کے مطابق بنیادی ضرورت اس کی ہے کہ گاؤں کے باشندوں میں نظم و ضبط (ڈسپلن) پیدا کیا جائے اور انھیں اپنے معاملات کو خود خوش اسلوبی سے حل کرنے کی تربیت دی جائے۔ لامرکزی سیاسی نظام کے حق میں سرودیہ کارکن یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس کے تحت کم سے کم اختلاف رائے رونما ہوگا اور اس

سے غیر جماعتی جمہوریت کی راہ ہموار ہوگی۔ سر ودیہ تصور کے مطابق گاؤں کی حکومتِ خود اختیاری یا گرام راج اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب گاؤں کے سارے باشندے سیاسی اقتدار کو خود استعمال کریں اور اسی نمونے پر ضلع اور صوبے کا نظم ونسق بھی چلنا چاہیے، یعنی اس کو وہ نمائندے چلائیں جنھیں علی الترتیب گاؤں پنچایتوں اور ضلع پنچایتوں کے رکن منتخب کریں گے۔ یہ اکائیاں بجائے مرکزی حکومت کی مرضی کا پرزہ بننے کے حکومتِ خود اختیاری کا نامی یا ترکیبی رقبہ ہوں گی۔ اگر گاؤں یا دیہی علاقوں میں اس طرح کی جمہوریت رائج کر دی جائے تو اس سے بڑھ کر کلیت پسندی اور آمریت کی دوہری شکست اور جمہوریت کی فتح نہیں ہو سکتی۔

سر ودیہ تحریک مرکزی حکومت کا خاتمہ نہیں چاہتی لیکن وہ اس کے لامحدود اختیارات کو بہت زیادہ کم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے نزدیک حکومت کی حیثیت ریل گاڑی میں لگی خطرے کی زنجیر کی طرح ہے جسے خطرے سے دوچار ہونے کی صورت میں ہی کھینچتے یا استعمال کرتے ہیں۔ یہ تحریک حکومتِ خود اختیاری کو بڑھاوا دینے کی حامی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ مل جل کر مشترکہ معاملات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اس کی نگرانی کریں کہ گاؤں کے کارکنوں یا سرکاری اہلکاروں میں کسی قسم کی کوئی بدعنوانی نہیں پائی جاتی۔

سر ودیہ فلسفہ لوگوں کو اخلاقی اعتبار سے اونچا اٹھانا چاہتا ہے۔ سیاسی توجہ کے مستحق عوام ہیں نہ کہ پارلیمنٹ یا مرکزی کابینہ۔ اس کے لیے "لوک نیتی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی اصل اہمیت عوام کی ہے۔ اس تحریک کے ایک بانی آچاریہ ونوبا بھاوے کا کہنا ہے کہ ملک میں سوراج آیا لیکن لوگوں میں اس کے بارے میں کوئی خاص ولولہ یا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ سوراج یا حکومتِ خود اختیاری کے معنی ہیں اقتدار کی لامرکزیت کے۔ اس اصول کو زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ سماجی ہو، خواہ اقتصادی یا سیاسی، استعمال کرنا چاہیے۔ گرام راج کے معنی ہیں کہ گاؤں والوں کو وہ طاقت یا اقتدار حاصل ہو جو دراصل انھیں کا ہے لیکن بدقسمتی سے جس کے بارے میں انھیں شعور نہیں اور بدقسمتی سے جسے ایک مرکز (جیسے دہلی) میں مرتکز کر دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ ان کی آزادی کے فقدان کی صورت میں نکلا اور ان کی مفلسی میں بے پناہ اضافے کا باعث ہوا۔ گرام دان کے ذریعے دہلی راج کو گرام راج اور رام راج میں بدلا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہر گاؤں ایک چھوٹے پیمانے کی مملکت ہو جائے گا۔ اس کے سارے شعبے خوش اسلوبی سے اپنا کام انجام دیں گے۔

بھودان

بھودان (زمین کا عطیہ) سر ودیہ تحریک کے محض ایک اہم پروگرام کا نام نہیں بلکہ گاندھیائی طریقے سے اقتصادی اور سماجی انقلاب لانے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ ایک نئی زندگی کے نظریے اور اس کی تخلیق کا نام ہے۔ یہ ایک نئے سماجی فلسفے کا نام ہے۔ یہ ایک اخلاقی تحریک ہے جس کا مقصد لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو پاکیزہ بنانا اور ان سب کو ذہنی، جذباتی طور پر اور مقصد کے لحاظ سے متحد کرنا ہے۔

بھودان کے ذریعے سر ودیہ فلسفے کے ماننے والے زمین کی ملکیت کے سلسلے میں لوگوں کے خیالات اور روش میں انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ جو زمین کا عطیہ دیتے ہیں وہ اگر اس عطیے کو قربانی کے جذبے کے تحت دیں اور یہ سمجھ کر دیں کہ ساری زمین خدا یا گوپال کی ہے تو پھر زمین یا اراضی سے ان کا دلی تعلق اور ملکیت کا غرور دونوں بڑی حد تک کم ہو جائیں گے۔ دراصل یہ حقیقی قلبِ ماہیت ہوگا جس کے بغیر کوئی نیا سماج وجود میں نہیں آسکتا۔ اس سوال کے جواب میں کہ بے زمین لوگوں میں زمین قانون کے ذریعے بھی تقسیم کی جا سکتی ہے، اس کے بانی ونوبا بھاوے کا کہنا ہے کہ بلاشبہ قانون کے ذریعے فاضل زمینوں کو لوگوں سے لیا جا سکتا ہے لیکن کیا اس کے ذریعے ملکیت رکھنے کا جذبہ اور ملکیت سے دلی تعلق اور زمین کی ملکیت کے غرور کا جذبہ لوگوں کے دلوں سے جاتا رہے گا؟ کیا ہم قانون کے ذریعے لوگوں کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ تفخر اور غرور کو ترک کر دیں، احساسِ برتری سے کنارہ کش ہو جائیں، قربانی اور ایثار کی زندگی اختیار کر لیں اور لالچ اور حرص کو ترک کر دیں؟ کیا یہ سب چیزیں قانون کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہیں؟ نہیں۔ یہ سب چیزیں محض انسان کی مرضی ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

سرکاری قانون کے ذریعے زمین کی تقسیم کی وہ خرابیاں نہیں دور ہو سکتیں جو موجودہ سماج میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر لوگوں کے دلوں کو بدل دیا جائے اور وہ اپنی خوشی سے اپنے کم خوش قسمت بھائیوں کو اپنی زمین دے دیں اسی محبت اور فیاضی کے ساتھ جس طرح باپ اپنے بیٹے کو دیتا ہے اور اگر لوگ ان کی خدمت کرنے لگیں اور ان کی خوشی اور رنج میں برابر شریک ہو جائیں تو ہماری ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔

موجودہ سماجی خرابیوں کے لیے بڑی حد تک دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ذمہ دار ہے۔ جو بہت زیادہ دولت مند ہیں ان میں غرور اور حرص کا زبردست جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مفلسوں میں زبردست مایوسی پھیل جاتی ہے اور ان میں خوشامد اور چاپلوسی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دولت مندوں کی خوشامد کرنے لگتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کے درمیان دلی اتحاد نہیں ہوتا اور نہ مقصد کے لحاظ سے یہ دونوں متحد ہو سکتے ہیں۔ اس طرح سماج اندرونی انتشار اور اختلافات کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن بھودان کے ذریعے یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے اور دونوں طبقوں یعنی مال داروں اور ناداروں میں دلی اتحاد

ہو جاتا ہے اور وہ ہر معاملے میں تعاون کرنے لگتے ہیں۔ بھودان تحریک دراصل دلوں کی تبدیلی کی تحریک کا نام ہے۔ جبراً کسی کے دل کو مسخر نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے بدلا جاسکتا ہے۔ حکومت مال داروں یا خصوصی مراعات والے طبقوں کو ان کی جائداد اور مراعات سے بے دخل کر سکتی ہے لیکن ان کی ذہنیت کو نہیں بدل سکتی۔ ان کے دل سے خود غرضی اور حرص کے جذبات کو نہیں دور کر سکتی۔ وہ دولت چھین سکتی ہے لیکن دولت مندوں کو دولت کے امین کی حیثیت سے کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

بھودان تحریک بنیادی طور سے اراضی کی ملکیت کے موجودہ تصور کو بدلنے کی تحریک ہے۔ ہوا، پانی، روشنی اور پانی سب خدا کی بیش بہا نعمتیں ہیں اور یہ سب اسی کی ملک ہیں نہ کہ سماج یا افراد کی۔ اس طرح زمین بھی خدا کی ملک ہے اور صرف اتنی ہی زمین کسی شخص کو اپنی ملکیت میں رکھنی چاہیے جس کی واقعی اسے ضرورت ہو۔ اسے اپنی زائد زمین کو خدا کے نام پر سماج کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس سے دوسروں کے سلسلے میں لوگوں کے رویّے میں ایک اور انقلابی تبدیلی ہو گی۔ عموماً انسان اپنے ہی بارے میں سوچتا ہے اور دوسروں کے بارے میں صرف اس لحاظ سے سوچتا ہے کہ ان کے ذریعے اس کے مقصد کی تکمیل ہو۔ لیکن بھودان کی تحریک فرد کے اس رویّے کو بدلتی ہے اور اس پر زور دیتی ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے اراضی نہ رکھنے والے پڑوسی کا کیا حال ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی زمین سے کچھ اس کو دے۔ اس طرح یہ تحریک نہ صرف ساری قوم بلکہ عالم کے لیے اخلاقی نشاۃ ثانیہ کی پیغامبر ہے۔

سمپتی دان

ونوبا بھاوے کو خیال پیدا ہوا کہ مالی امداد کے بغیر بھودان کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ بے زمین لوگوں کو ان زمینوں پر آباد ہونے کے لیے جو انھیں دی گئی ہیں، سرمایے کی ضرورت ہو گی۔ وہ زمین کو تب ہی کام میں لا سکتے ہیں جب ان کے پاس ضروری ساز و سامان اور بیج اور سینچائی کی سہولت ہو۔ چنانچہ ونوبا نے دولت مندوں سے مالی امداد کی اپیل کی۔ اس طرح "سمپتی دان" کا آغاز ہوا۔ اس کا مقصد دولت مندوں کو اس پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنی دولت میں مفلسوں کو شریک کریں کیوں کہ ان کی دولت سماج کی پیدا کردہ ہے، یعنی اس کی پیدائش میں سب کی اجتماعی کوششوں کو دخل ہے اس لیے اس سے سب کو فائدہ پہنچنا چاہیے۔ سمپتی دان یا دولت کا عطیہ خیرات نہیں ہے بلکہ یہ اس عقیدے کا اظہار ہے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور اسے ناداروں کی ضروریات پوری کرنے میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ دراصل گاندھیائی نظریۂ امانت کو عملی شکل دیتا ہے۔ جب دولت میں ناداروں کو شریک کر لیا جائے گا تو دینے والوں اور لینے والوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

سرودیہ سماج اور مملکت

سرودیہ سماج میں موجودہ حد سے زیادہ مرکزیت پسند اور جابرانہ مملکت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ یہ مملکت گرام راج کے تصور کے بالکل منافی ہے۔ گرام راج کے معنی یہ ہیں کہ سماج چھوٹے چھوٹے خود مختار گاؤں پر جن کی انتہائی آبادی تین ہزار سے چار ہزار تک ہو گی، مشتمل ہو گا۔ ہر گاؤں اپنی جگہ حتی الامکان خود کفیل ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں سرودیہ سماج سیاسی اور اقتصادی دونوں لحاظ سے ایک لامرکزی سماج ہو گا۔ مملکت خود مختار دیہی اکائیوں کا ایک ڈھیلا ڈھالا وفاق ہو گی۔ اس طرح اہنساوادی مملکت کا نصب العین حاصل کیا جائے گا۔ اس سماج میں نہ تو جماعتی سیاست کی کوئی گنجائش ہو گی اور نہ اقتدار کی رسہ کشی کی۔ اس سماج میں سیاست سے مراد سماج کی خدمت ہو گی نہ کہ اقتدار اور مفاد کی کشمکش۔ "راج نیتی" (سیاست) کی جگہ "لوک نیتی" (مصلحتِ عامہ) لے لے گی، یعنی ہر کام عوام کی بہبود کے نقطہ نظر سے کیا جائے گا۔ سرودیہ سماج کے اندر موجودہ مملکت فنا ہو جائے گی کیوں کہ اس میں اس کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ سرودیہ سماج جن اوصاف پر زور دیتا ہے وہ سچائی، اہنسا، اخوت اور ایثار ہیں۔ ان کے لیے مرکزیت پسند مملکت کی ضرورت نہیں۔ سرودیہ سماج میں نراج نہیں ہو گا۔ لیکن چونکہ یہ سماج اہنساوادی ہو گا اس لیے مملکت بھی اہنساوادی ہو گی۔ گاؤں کے انتظامی معاملات پر ایک گاؤں کی عام سبھا کا عمل دخل ہو گا، اس معنی میں ایک حد تک حکومتی کنٹرول باقی رہے گا، لیکن یہ حکومتی کنٹرول جابرانہ یا تشدد دانہ نہیں ہو گا بلکہ عوام کی رضامندی پر مبنی ہو گا۔ اس سماج میں اس پر زور دیا جائے گا کہ فرد اپنے فرائض کی تکمیل میں عام فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھے۔

سرودیہ تحریک کا جائزہ

سرودیہ تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ زندگی کی موجودہ قدروں میں انقلابی تبدیلی لائے اور نوعِ انساں کے سامنے زندگی کا ایک نیا انداز اور ایک نئی تہذیب کا خاکہ پیش کرے۔ یہ اپنے ارکان سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ خود غرضی اور مفاد پرستی کو چھوڑ کر خود کو فلاح عام کے لیے وقف کر دیں۔ یہ ان لوگوں میں اپنے کو مٹا دینے کے جذبے کو فروغ دیتی ہے اور ان میں ضبطِ نفس پیدا کرتی ہے۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتی ہے کہ ان کے دلوں میں اپنے مفلس پڑوسیوں کے لیے وہی جذبہ پیدا ہو، جو خود اپنے اور اپنی اولاد کے لیے پایا جاتا ہے۔

یہ تحریک تزکیۂ نفس پر بہت زیادہ زور دیتی ہے اور سماج کی اخلاقی اعتبار سے تعمیر نو کرنا چاہتی ہے۔ اس کے نزدیک فرد کو بھی خوشی اسی وقت حاصل ہوگی، جب وہ بے لوثی سے کام کرے اور نفسانی خواہشات سے آزاد ہو۔ زندگی کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہوسکتے جب تک انسان خود غرضی کو نہیں ترک کرتا اور اپنے اور پرایے کی تفریق نہیں مٹاتا۔ جب تک دولت مندوں سے خدا کے نام پر اپیل نہ کی جائے وہ اپنے آپ کو اپنی دولت کا امین نہ سمجھیں گے۔

سردو یہ تحریک کے حامیوں کا خیال ہے کہ انسان اس اخلاقی بلندی تک پہنچ سکتا ہے جس کا یہ تحریک اس سے مطالبہ کرتی ہے کیوں کہ انسان نیک فطرت ہے اور طبعاً خود غرض نہیں۔

Learn Urdu Through Distance Education / Self Study Programme

Certificate course in Urdu for non-Urdu knowing learners has been launched w.e.f. 1 March, 2001. The following books are available :

English Medium

- ❑ **Let's Learn Urdu**
  Beginner's Manual for Urdu Script *by Gopi Chand Narang*
- ❑ **Work Book : Let's Learn Urdu** *by Gopi Chand Narang*
- ❑ **Introductory Grammar of Urdu**
- ❑ **Work Book : Introductory Grammar of Urdu**

Hindi Medium

- ❑ उर्दू कैसे लिखें (उर्दू लिपि सीखने की बुनियादी किताब) - *गोपी चन्द नारंग*
- ❑ अभ्यास पुस्तिका : उर्दू कैसे लिखें - *गोपी चन्द नारंग*
- ❑ प्रारंभिक उर्दू व्याकरण
- ❑ अभ्यास पुस्तिका : प्रारंभिक उर्दू व्याकरण

Books will be supplied free of cost to registered learners. For prospectus & application form write to :

Urdu Education Cell

National Council for Promotion of Urdu Language

West Block-8, Wing-7, R.K.Puram, New Delhi-110066

email : urdueducation@hclinfinet.com

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں شائع کی ہیں۔

طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

پتا: قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی-110066

رتن ناتھ سرشار

(فسانۂ آزاد جلد اوّل سے اقتباس)

اپنے حلوے مانڈے سے کام

میاں آزاد کے تو پاؤں میں آندھی روگ تھا۔ اِدھر اُدھر چکر لگائے، راستہ ناپا اور پڑ کر سو رہے۔ ایک دن حسبِ معمول تلوے کھجلائے تو چلے سرا کی طرف۔ وہ تو کہیے خیر گزری کہ جوشِ جنوں نے جنگل نہ دکھایا۔ دونوں وقت ملتے سرا میں پہنچے۔ بڑی چہل پہل ہے۔ ایک طرف روٹیاں پک رہی ہیں، دوسری طرف دال بگھاری جاتی ہے۔ بھٹیاریاں مسافروں کو گھیر گھار کر لا رہی ہیں۔ صاف ستھری کوٹھریاں دکھا رہی ہیں۔ حضرت اِدھر اُدھر خوب گھومے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کوٹھری کے پاس ایک صاحب لحیم و شحیم، فربہ و جسیم، جیسے ہی چارپائی پر بیٹھنے لگے پٹی ٹوٹ گئی۔ اور حضرت غڑاپ سے جھلنگے میں ہو رہے۔ ہائے موٹاپا بھی کیا بُری چیز ہے۔ اب بیٹھے کہ گرے تو اٹھا نہیں جاتا۔ آخر کار دایاں ہاتھ بھٹیاروں نے لیا، بائیں طرف میاں آزاد نے ہاتھ دیا، اور بعد خرابی بصرہ حضرت کو نکالا۔ جھلنگے سے باہر آئے تو نہایت ہی خفیف۔ پہلے تو بی بھٹیاری سے خوب گل غپ ہوئی۔ واہ اچھی چارپائی دی، اور جو میرا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتا، سر پھوٹ جاتا، تو کیسی ہوتی۔ اے واہ میاں! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ایک تو چھپر کھٹ کو چکنا چور کر ڈالا، پٹی کے بہتر ٹکڑے ہوگئے۔ دیں گے ٹکا اور چھ گنڈے پر پانی پھیر دیا۔ دوسرے ہمیں کو للکارتے ہیں۔ الغرض لوگوں نے سمجھا بجھا کر جھگڑا پاک کیا تو حضرت ٹہل ٹہل کر یہ شعر پڑھنے لگے

زدائے دلِ حزیں نہ تپِ ہجرِ یار میں
بیمار کو مضر ہے نہانا بخار میں

میاں آزاد نے پوچھا حضرت! کہاں سے تشریف لانے کا اتفاق ہوا۔ فرمایا۔ یہیں تک آیا ہوں۔ معقول، سوال دیگر جواب دیگر۔ قبلہ آپ آئے کہاں سے ہیں۔ جی وطن سے آتا ہوں۔ الٰہی خیر! وطن کا کچھ نام بھی ہے، یا گمنام ہے۔ جی گوپامئو میں مکان ہے۔ اخاہ آئیے آئیے! واللہ خوب ملے۔ تو یہ کہیے حضور کا دولت خانہ گوپامئو میں ہے۔ خوش آمدی، خوش آمدی! یہاں کس غرض سے آنا ہوا حضور؟ جی بندہ حکیم ہے۔ یہ کہیے تو آپ طبیب ہیں۔ کیا! طبیب؟ طبیب آپ خود ہوں گے ہم حکیم ہیں۔ طبیب کہیں اور رہتے ہوں گے۔ خیر صاحب طبیب نہیں، آپ حکیم بلکہ سلطان الحکما سہی۔ خفا کیوں ہوتے ہو صاحب۔ کیا یہاں مطب کرنے کا قصد ہے؟ اور نہیں تو کیا، بھاڑ جھونکنے آیا ہوں، یا سنیچر پاؤں پر سوار تھا۔ بھلا یہ فرمایئے کیسا مقام ہے، لوگ کس قطع کے ہیں، آب و ہوا کیسی ہے؟ حضرت یہ نہ پوچھیے، باشندے شورہ پشت، چاق و چوبند، آنٹھوں گانٹھ کمیت، اور آب و ہوا کا تو خیال ہی نہ کیجیے۔ برسوں رہیے، اگر کسی دن سوء ہضم کی شکایت ہو تو جرمانہ دوں۔ پاؤ بھر کی غذا ہو تو تین پاؤ کھایئے۔ ڈکار تک لیجیے، تو مجھے سزا دیجیے۔ یہ سُن کر حکیم صاحب نے مُنہ بنایا، اور گولا کھ ضبط کیا مگر بے اختیار بول اٹھے: لاحول ولا قوۃ۔ بڑے بُرے پھنسے۔ ایں بُرے پھنسے! یہ کیوں کیوں! اجی آب و ہوا مرغوب ہے، بیماری کا نام نہیں، یہ تو اچھا مقام ہے، لاحول چہ معنی دارد؟ حضرت آپ نرے کوڑھ مغز ہیں۔ ایک تو آپ نے یہ گولا مارا کہ آب و ہوا اچھی ہے، اتنا نہیں سمجھتے کہ آب و ہوا اچھی ہے تو ہم سے کیا واسطہ۔ ہمیں کون پوچھے گا۔ بس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے کار بیٹھے مکھیاں مارا کریں گے۔ ہم تو ایسے شہر میں جانا چاہتے ہیں جہاں ہیضے کا گھر ہو، بخار پیچھا نہ چھوڑتا ہو، ذکوروز نیٹوادبو سچے، قبض اور پیچش کی سب کو شکایت ہو، آب و ہوا میں سم کی خاصیت ہو، چیچک کا وہ زور ہو کہ الاماں! جب البتہ ہماری ہنڈیا چڑھے۔ آپ نے تو واللہ آتے ہی گولا مارا۔ بیٹھے ہی پر ٹوک دیا، اور ماشاء اللہ کس ہمدردی سے آپ فرماتے ہیں کہ سوء ہضم کی شکایت نہ ہوگی۔ واہ سوء ہضم کی شکایت ان کو ہوتی ہوگی جو ضعفِ معدہ کے عارضے میں مبتلا ہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ پاؤ بھر کے عوض میں تین پاؤ غذا کھانے لگوں۔ واہ واہ۔ چٹرا ہی کر دیا۔ آمدنی ٹکا نہیں، اور کھائیں چوگنا۔ تو فرمایئے مرے یا جیے، نا صاحب بندہ سویرے ہی بوریا بدھنا اٹھا کر چمپت ہوگا۔ ایسے منحوس شہر میں میری بلا رہے جہاں سب ہٹے کٹے ہی نظر آتے ہیں۔ جسے دیکھو ڈنڈ پیل سنڈا بنا ہوا۔ بھلا کوئی خاص عارضہ بھی یہاں ہے، یا عارضے کا اس طرف گزر ہی نہیں ہوا۔ حضرت یہاں کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ برسوں کا مریض آئے، اور ایک قطرہ پی لیا چاہے، بس خاصا ہٹا کٹا۔ لاحول۔ پانی کیا آبِ حیات ہے۔ تو کسی جو پانی میں زہر نہ ملا دیا۔ اے تو قبلہ ہزاروں کنویں، سیکڑوں اندارے، پچاسوں باؤلیاں کس کس میں زہر ملاتے پھریے گا۔ خیر بھئی سمجھا جائے گا مگر

● فسانۂ آزاد کلاسیکی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ فنی اعتبار سے یہ داستان اور ناول کے درمیان کی صنف ہے۔ فسانۂ آزاد نہ صرف زبان و بیان اور معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے بلکہ اپنے دلچسپ کرداروں کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ فسانۂ آزاد کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

بُرے پھنسے۔ واللہ بُرے پھنسے۔ اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں ہے۔ مہترانی، مہترانی، بی مہترانی! ذری ہم کو پنساری کی دکان سے تولہ بھر شکنجبین تو لا دینا، اس وقت جی قابو میں نہیں ہے۔ اے میاں پنساری یہاں کہاں۔ کسی فقیر کی دعا ایسی ہے کہ یہاں حکیم اور پنساری جمنے ہی نہیں پاتا۔ کئی حکیم آئے مگر گور میں ہیں۔ کئی پنساریوں نے دکان جمائی مگر چتا پر پھونک دیے گئے۔ یہاں تو بیماری نے آنے کی قسم کھائی ہے۔ ارے توبہ! ارے توبہ! بھئی واللہ کیا نکتا شہر ہے۔ خداوندا بچائیو! اس طرف رخ جو آج سے کرے اُس پر لعنت ہے۔ یارو خدا کے لیے ہمیں تو کرایہ کر دو تو رفوچکر ہو جائیں۔ بچ بچ، ہزار نعمت کھائی۔ ایسے شہر کی ایسی تیسی! غضب خدا کا یہاں پنساری کبریتِ احمر کا حکم رکھتا ہے۔

میاں آزاد نے ان کو چھوڑا تو سرا سے دوسرے گوشے میں ہو رہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگوار گوش محل میں بستر جمائے فوق البھڑک کپڑے پہنے کھڑے ہیں یہ سب تکلف آدمی۔ السلام علیکم۔ کہہ کر گوش محل میں داخل ہو گئے۔ وہ بھی بڑے تپاک سے پیش آئے۔ ہاتھ ملایا، بغل گیر ہوئے، تعظیم کی۔ لطف و اخلاق سے بٹھایا۔ مزاج اقدس؟ الحمد اللہ، جناب کا مزاج عالی؟ شکر ہے۔ میں تو ایک مسافر غریب الوطن ہوں۔ آپ نے بڑی بندہ نوازی فرمائی اور ممنون واحساں کیا۔

زقدر شوکتِ سلطان نگشت چیزے کم
زالتفات بہ مہمان سرائے دہقانی
کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید
کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانی

میاں آزاد سمجھ گئے، کہ یہ کوئی بڑے لسان آدمی ہیں۔ پوچھا آپ یہاں کس تقریب سے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا عرض کروں، پیرو مرشد میں وکیل ہوں۔ قصد ہے کہ یہاں وکالت کروں۔ کہیے یہاں عدالت کی کیا کیفیت ہے۔ میاں آزاد نے فرمایا یہ نہ پوچھیے یہاں کے باشندے بھیگی بلی ہیں۔ لڑنا بھڑنا جانتے ہی نہیں۔ سال بھر میں دو چار مقدمے شاید ہوتے ہوں، چوری چکاری یہاں کبھی سننے ہی میں نہیں آتی۔ زمین اراضی، لگان پٹی داری، حقیقت کے مقدمے کبھی سنے ہی نہیں۔ قرض کوئی لے، نہ دے۔ وکیل صاحب کا رنگ زرد ہو گیا۔ مگر حکیم صاحب کی طرح مخبوط تو تھے ہی نہیں کہ بلبلا اٹھتے۔ نہایت متانت سے فرمایا کہ سبحان اللہ! بڑے مسکین آدمی یہاں بستے ہیں۔ مگر دل میں افسوس ہوا، اس قیم ثام، دھوم دھام، سے آئے اور یہاں وہی ڈھاک کے تین پات۔ ان کو بھی چھوڑا، اور یہاں سے اور طرف چلے۔

□□□

زبان اور قواعد

مصنف: رشید حسن خاں

رشید حسن خاں کے وہ مضامین جو اُن کے وسیع مطالعے اور گہرے غور و فکر کا حاصل ہیں اور اہم مباحث کا جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں مثلاً لغت اور استعمالِ عام، سقوطِ حروفِ علّت، ترکیبِ مہنّد، اعلانِ نون وغیرہ۔ ساتھ ہی بہت سے متروک اور مروّج الفاظ سے عالمانہ بحث کرتے ہوئے غلط العام اور غلط العوام کی پرانی بحث نئے انداز سے اٹھائی گئی ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ اردو کے طلبہ کے لیے تو اہمیت کا حامل ہے ہی، اساتذہ اور مصنفین کے لیے بھی افادیت سے خالی نہیں۔

تیسرا ایڈیشن، قیمت 120 روپے، صفحات 503

ایم۔ نسیم اعظمی

بزنس مینجمنٹ کی تعلیم اور اس کے اہم مراکز

کیفیت باقی پرانے کوہ وصحرا میں نہیں
ہے جنوں تیرا نیا، پیدا نیا ویرانہ کر
علامہ اقبال

بزنس مینجمنٹ کی تعلیم وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کیوں کہ آج اس تعلیم میں روزگار کے بے پناہ مواقع ہیں۔ ایک دور تھا جب لوگ پیشہ ورانہ تعلیم میں قانون کی تعلیم کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ پھر وہ دور بھی آیا کہ میڈیکل کی تعلیم کو اہمیت دی جانے لگی مگر بیسویں صدی کے اختتامی برسوں سے مینجمنٹ کی تعلیم نے پیشہ ورانہ تعلیم میں اپنی اہمیت وافادیت کا لوہا منوالیا ہے۔ اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ اس تعلیم میں سرکاری ملازمت، پرائیویٹ سروس اور خود روزگاری کے بے پناہ مواقع ہیں۔ اس تعلیم کا تعلق پیداوار، منصوبہ بندی، مالیات اور انسانی وسائل کی مختلف ترقیات سے جڑا ہوا ہے اور یہی تعلیم آنے والے دنوں میں ہندستانی تجارت پر اپنی بالادستی قائم کرنے والی ہے۔ کثیر ملکی کمپنیوں کی تجارتی یونٹوں میں بزنس مینجمنٹ کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے روزگار کے وسیع امکانات ہیں۔

اکیسویں صدی گذشتہ صدیوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیز رفتار ترقیوں کے ساتھ نمایاں ہو رہی ہے۔ اور پل پل تیور بدلتی اس صدی میں تجارتی اور صنعتی ترقیات کے خاصے امکانات ہیں۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندستان میں کثیر ملکی کمپنیوں کے داخلے نے ہمارے اہلِ حرفہ اور روایتی کاریگروں کے ترقیاتی امکانات اور دیسی صنعتوں پر سوالیہ نشان بھی لگا دیا ہے اور حکومت کی دوہری معیار رکھنے والی صنعتی پالیسی سے دیسی صنعتوں کو نقصانات بھی پہنچنے کے اندیشے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کا تجربہ سترھویں صدی عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور دوسری غیر ملکی تجارتی کمپنیوں کے داخلے سے ہم کر چکے ہیں۔ یہاں ان تاریخی حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چوں کہ ہندستان مختلف النوع گھریلو صنعتوں کا گہوارہ ہے اور یہاں کے اہلِ حرفہ اور دستکار آج بھی اپنی انفرادی شناخت رکھتے ہیں اور انھیں عالمی سطح پر قبولیت کا شرف بھی حاصل ہے اس لیے آنے والے دنوں میں ہندستان کے تعلیم یافتہ اور ہنر پیشہ کاریگروں کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

صنعتی اور تجارتی ترقی کے لیے مالی وسائل کی تلاش اور فنڈ کی فراہمی بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے مگر تکنیکی واقفیت کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ اس لیے تجارتی کمپنیوں کو جہاں منڈی کے مزاج وماحول کے مطابق مصنوعات تیار کرنے کے لیے اچھے اور ماہر کاریگروں کی ضرورت ہوگی وہیں اپنی مصنوعات کو گاہکوں تک پہنچانے کے لیے مقامی فیلڈ ورکروں، مارکیٹنگ کنٹرولروں اور سروے کرنے والے افراد بھی درکار ہوں گے۔ اس لیے بزنس مینجمنٹ کی تعلیم پانے والے باصلاحیت اور محنتی نوجوانوں کو اچھے روزگار بھی ملیں گے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غیر ملکی کمپنیوں کا پہلا وار ہندستانی گھریلو صنعتوں پر ہی پڑے گا بلکہ پڑنا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن سترھویں صدی عیسوی اور آج کے حالات میں کافی فرق ہے لہٰذا غیر ملکی کمپنیوں کے رواج سے جہاں ہندستان کے روایتی کاریگروں پر منفی اثرات رونما ہوں گے وہیں بزنس مینجمنٹ کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ حضرات کے لیے معاشی خوشحالی اور اقتصادی ترقی کے نئے در بھی کھلیں گے۔ لہٰذا ایسے تعلیم یافتہ جو گھریلو صنعت پیشہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں انھیں بزنس مینجمنٹ کی تعلیم میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیوں کہ یہ تعلیم دستکار طبقے کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔

مروجہ بزنس مینجمنٹ کی تعلیم صنعت وتجارت اور معاشی خوشحالی کی ضامن ہے۔ صحیح وقت پر صحیح فیصلہ لینے، بازاری سروے اور سروے رپورٹ کی بنیاد پر کنٹرول کرنے میں یہ تعلیم خاص معاونت کرتی ہے۔ اس میں انتظامی اور تجارتی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے خاص مواقع ہوتے ہیں مگر اس کے لیے سخت محنت اور سچی لگن اوّلیں شرط ہوتی ہے۔ چنانچہ بزنس مینجمنٹ کی تعلیم کے ڈپلوما اور ڈگری کورس کر کے نئے حالات میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے کیوں کہ بزنس مینجمنٹ کی تعلیم میں مارکیٹنگ بزنس، انٹرنیشنل ٹریڈ اور انسانی وسائل کی فراہمی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کا کورس عموماً تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

1- ایم بی اے (M.B.A.) ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن
2- بی بی اے (B.B.A.)، بی بی ایس (B.B.S.)، بی بی ایم (B.B.M.)، یہ تینوں بزنس ایڈمنسٹریشن کے ڈگری کورس کہے جاتے ہیں۔
3- بزنس ایڈمنسٹریشن کے ڈپلوما کورسز

بزنس مینجمنٹ کے ڈگری اور ڈپلوما کورسز کی تعلیم کا پھیلاؤ بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ دلی، ممبئی، کولکاتہ، احمد آباد، بنگلور، لکھنؤ اور ہندستان کے دوسرے چھوٹے بڑے شہروں میں اس تعلیم کا خاص انتظام واہتمام ہے۔ فی زمانہ اس کی اہمیت وافادیت اور مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور

آج تقریباً سو سے زائد ادارے اس تعلیم کے فروغ میں سرگرم عمل ہیں لیکن اعلیٰ معیاری اداروں کی پھر بھی کافی کمی ہے۔ اس کے علاوہ بزنس مینجمنٹ کی تعلیم کے لیے ماہر اور اچھے اساتذہ کا بھی فقدان ہے۔ بڑے شہروں میں یہ صورت حال قدرے غنیمت ہے لیکن چھوٹے شہروں اور قصبوں میں اس تعلیم کی سہولیات تقریباً مفقود ہیں اور چوں کہ ہندستان کے تعلیم یافتہ پس ماندہ طبقات زیادہ تر چھوٹے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں آباد ہیں جہاں نہ تو تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہوتا ہے اور نہ ہی وسائل ہوتے ہیں اس لیے ان علاقوں میں مینجمنٹ اور دیگر تعلیمی سہولیات کی فراہمی کے لیے جہاں وسائل کی تلاش و جستجو درکار ہے وہیں جدید تعلیمی ماحول کے لیے نئی طرز کی تعلیمی فضا بھی بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ان علاقوں میں بھی جدید تعلیم کے لیے مناسب ذہن سازی ہوسکے۔

ہندستان کا اردو داں طبقہ عموماً روایتی تعلیم سے وابستہ ہے اس لیے اس میں جدید ذہن اور جدید افکار و رجحانات کا فقدان ہے۔ ادھر چند سالوں سے کچھ لوگوں نے اردو تعلیم اور اردو داں تعلیم یافتہ حضرات کو جدید اطلاعاتی تکنیک اور بزنس مینجمنٹ وغیرہ کی تعلیم سے جوڑنے اور ان میں جدید ذہن سازی کرنے کے لیے ماحول سازگار کرنے کی کوششیں شروع کی ہیں۔

ہندستانی مسلمان اور دیگر کاریگر پیشہ افراد کبھی بھی اپنی معاشی ضروریات کے لیے ملک و قوم اور سرکار پر بوجھ نہیں بنے ہیں بلکہ اپنی تمام تر تعلیمی اور معاشی زبوں حالی کے باوجود اپنی ہنرمندی، کاریگری اور جفاکشی سے ملک و قوم کی ترقی میں معاون رہے ہیں اور آج بھی ایک سے ایک اہل حرفہ اور لائق فائق کاریگر ہندستان بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہتر ماحول ملنے اور حوصلہ افزا فضا پانے پر بڑے بڑے محیر العقول کارنامے انجام دے سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن اس کا تاریک پہلو یہ ہے کہ صنعت و حرفت سے وابستہ اس کاریگر طبقے میں سرے سے تعلیم ہی نہیں ہے۔ پھر بھی جو تعلیم یافتہ نوجوان انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن کرچکے ہیں انھیں بزنس مینجمنٹ کی تعلیم کی طرف بلا کسی تاخیر کے متوجہ ہو جانا چاہیے کیوں کہ یہ تعلیم ان کے لیے خاص طور سے کارآمد اور سودمند ہے۔ رضاکار تنظیموں کو بھی کاریگر پیشہ طلبہ کی حوصلہ افزائی، مالیات کی فراہمی اور وظائف کا بندوبست کرنا چاہیے۔ مسلم ادارے جیسے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے مرکزی اداروں کو بھی اس تعلیم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ریاستوں میں قائم اردو اکادمیاں اور دوسرے سرکاری و نیم سرکاری ادارے بھی تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ طبقات کو اس اہم ترین عصری تعلیم سے جوڑنے کے لیے ہر طرح کی معاونت کرنی چاہیے۔

بزنس مینجمنٹ کی تعلیم کے لیے یوں تو ہندستان بھر میں سو سے زائد ادارے سرگرم عمل ہیں لیکن ذیل میں چند اہم ترین اور نامور اداروں کے ناموں کی نشاندہی کی جارہی ہے جہاں بہتر تعلیم اور معیاری تربیت کا معقول انتظام ہے اور جہاں کے فارغ حضرات کی خاص اہمیت اور ڈیمانڈ ہے۔

1- آئی آئی ایم (I.I.M.)، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف بزنس مینجمنٹ کے ایم بی اے (M.B.A.) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ادارہ ایم بی اے کی تعلیم کے لیے ہندستان بھر میں مشہور ہے اور اس کی شاخیں احمد آباد، کولکاتہ، بنگلور اور لکھنؤ میں بھی ہیں۔ اس کی تربیتی مدت دو سال ہے۔ ایم بی اے میں داخلے کے لیے امیدوار کا سائنس، آرٹ یا کامرس میں کسی بھی اسٹریم کا گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔

2- ایکس آئی آر آئی (X.I.R.I.) جمشید پور کے ذریعے دی جانے والی ایم بی اے کی تعلیم کو بھی خاصی شہرت حاصل ہے۔ یہ ادارہ اپنے تعلیمی اور تربیتی معیار کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

3- ایف آئی ایم (F.I.M.) فیکلٹی آف مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ، دہلی یونی ورسٹی دہلی میں بھی ایم بی اے کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے۔ بزنس مینجمنٹ کی تعلیم میں دہلی یونی ورسٹی کو خاص اہمیت اس لیے حاصل ہے کہ یونی ورسٹی اپنے یہاں کے فارغین کے لیے روزگار کے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔

4- دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ تجارت، معیشت اور اقتصادیات میں بھی جو ڈگری کورس کی تعلیم دی جاتی ہے وہ بھی روزگار کے لحاظ سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ اس میں کل 55 سیٹیں ہیں۔ داخلے کے لیے جدید طرز کے انٹرنس ٹسٹ میں حاصلہ نمبروں اور ڈگری امتحان میں حاصلہ نمبروں کے مجموعے کے اوسط کی بنیاد پر ٹریننگ کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ کامرس اور اکنامکس گریجویٹ امیدواروں کو داخلے میں ترجیح دی جاتی ہے۔

5- گجرات ودیاپیٹھ، احمد آباد میں دیہی انتظامات اور دیہی ترقیات کا دو سالہ بزنس مینجمنٹ کا کورس پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں داخلے کے لیے داخلہ ٹسٹ، بحث و مباحثہ اور انٹرویو کے عمل سے امیدواروں کو گزرنا پڑتا ہے۔

6- ولیج مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ (V.M.I.) تقریباً گذشتہ تیس سالوں سے قائم ہے۔ یہاں بزنس مینجمنٹ اور دیگر انتظامی تعلیم کا معقول بندوبست ہے اور طلبہ و طالبات کے لیے الگ الگ بورڈنگ سہولیات بھی ہیں۔ یہاں کل ساٹھ نشستیں ہیں اور فی طالب علم تقریباً پچیس ہزار (-/25000) روپے کے اخراجات آتے ہیں۔ غریب طلبہ کے لیے ادارہ گیارہ ہزار (-/11000) روپے کے مالی وظائف کی بھی

سہولت دیتا ہے۔ یہ ادارہ اپنے فارغین کو روزگار کی گارنٹی بھی دیتا ہے۔

7- گروکاشی انسٹی ٹیوٹ (G.K.I.) بھٹنڈا میں ایم بی اے کا دو یبھی انتظامی کورس پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں داخلے کے لیے دہلی میں قائم اس کے سینٹر سے انٹرنس ٹسٹ پاس کرنا ضروری ہے۔

8- نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ (N.I.M.) پونہ اپنی انفرادی مینجمنٹ کی تعلیم کے لیے ملک گیر شہرت رکھتا ہے یہ ادارہ جدید ترین سہولیات سے مزین ہے اور مینجمنٹ کی تعلیم میں ایک خاص معیار رکھتا ہے۔

9- اندرا گاندھی اوپن یونی ورسٹی نئی دہلی اپنی مراسلاتی اور فاصلاتی مینجمنٹ کی تعلیم کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں داخلے کے لیے لازمی اہلیت گریجویشن اور تین سالہ سپر وائزری تجربہ یا انٹرمیڈیٹ اور چھ سالہ سپر وائزری تجربہ ضروری ہے۔

10- انسٹی ٹیوٹ آف رورل مینجمنٹ (I.R.M.) آنند پور اور چینئی (مدراس) کے ڈپلوما اور ڈگری کورسوں کی بھی اہمیت و شہرت ہے۔

11- انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ (I.H.M.) ممبئی، ہوٹل مینجمنٹ کی تعلیم کے لیے خاص مقبولیت رکھتا ہے۔ یہاں کے فارغین کی ہوٹل مینجمنٹ کے شعبے میں کافی ڈیمانڈ ہے۔

12- پنجابی یونی ورسٹی پٹیالہ میں بھی بزنس مینجمنٹ کے مراسلاتی اور فاصلاتی کورس کا معقول انتظام ہے لیکن یہاں کی مینجمنٹ کی تعلیم صرف فوجیوں کے لیے مخصوص ہے۔

13- انسٹی ٹیوٹ آف ٹورزم مینجمنٹ (I.T.M.) نئی دہلی ٹورزم اور سیاحت میں مینجمنٹ کی تعلیم میں انفرادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں کے فارغین کو ٹورزم ڈپارٹمنٹ میں خصوصی فوقیت دی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کی پیشہ ورانہ اور تجارتی تعلیمات اور ان کی ڈگریاں پورے ملک میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ہندستان کی گھریلو صنعتوں اور دستکاری کے شعبے سے وابستہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بزنس مینجمنٹ اور اطلاعاتی تعلیم و تربیت کے لیے مذکورہ اداروں سے رجوع کرنا چاہیے تاکہ اس جدید ترین تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھا کر معاشی اور اقتصادی ترقی میں وہ اپنی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کر سکیں۔

Doman Pura (Kasari), Maunath Bhanjan (U.P.)-275101

تحریکِ خلافت

مصنف: قاضی محمد عدیل عباسی

ہندستان میں چلائی جانے والی تحریکِ خلافت نے بالواسطہ طور پر ہماری تحریکِ آزادی کو بھی ایک نئی قوت عطا کی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے جو اس تحریک میں شریک تھے، تحریک خلافت کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 219 صفحات، قیمت 65 روپے

تالستائے

مصنف: ڈاکٹر محمد یٰسین

تالستائے کی تصانیف ہمیں خواب و خیال کی دنیا سے حقیقت کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس کے یہاں حیات و کائنات کا عرفان بھی ہے اور عام انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی بھی۔ اس کتاب میں تالستائے کے سوانحی گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے فنی کارناموں پر بھی۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 152 صفحات، قیمت 46 روپے

بابر نامہ

تلخیص کار اور مترجم: ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی

"تزک بابری" کی تلخیص اور آسان اردو میں ترجمہ۔ یہ تلخیص ان حصوں پر مشتمل ہے جن میں بابر نے بہ طور خاص ہندستان کے رسم و رواج، یہاں کے موسموں، یہاں کی آب و ہوا یہاں کے پھلوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لیے خصوصی دلچسپی کی حامل ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 101 صفحات، قیمت 15 روپے

برنارڈ شا

مصنف: عبدالمغنی

جارج برنارڈ شا ایک روشن خیال اور انسان دوست ادیب اور مفکر تھا جو نسل یا قومیت کی حد بندیوں سے نکل کر پورے عالم انسانیت کی بہتری کا خواہاں تھا۔ اس کتاب میں برنارڈ شا کے شخصی اور ادبی اوصاف تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 96 صفحات، قیمت 35 روپے

ویڈیو ٹیلی کانفرنسنگ

فرض کیجیے آپ کسی کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں اور اپنی پوری ٹیم کے ساتھ ایک اہم بزنس پالیسی کے تحت کسی بیرونی کمپنی کے ساتھ ایک معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ معاہدے کے اہم نکات کی تفصیلات طے کرنے کے لیے آپ کو اپنی پوری ٹیم کے ساتھ سفر کرنا ہوگا اور یہ معاملہ ممکن ہے کہ تین چار میٹنگوں کے بعد ہی طے پاسکے۔ تین چار بار سفر اپنی پوری ٹیم کے ساتھ کافی خرچ والا ہوگا اور کافی وقت بھی درکار ہوگا لیکن اگر آپ کے پاس ٹیلی کانفرنسنگ کی سہولت موجود ہے تو پھر اپنے آفس میں بیٹھے بیٹھے ہی اپنے ویڈیو ٹرمنل پر بیرونی ملک کی کمپنی سے رابطہ قائم کر کے آمنے سامنے بیٹھ کر اس کمپنی کے ذمے داران سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

آج بہت ساری کمپنیاں اسی ویڈیو ٹیلی کانفرنسنگ کی سہولت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سفر خرچ کو کافی حد تک کم کرنے کے لائق ہو گئی ہیں۔ یوں دوران سفر وقت کے زیاں کا بھی اب کوئی مسئلہ نہیں رہا ہے۔ امریکن ایکسپریس کے مطابق گذشتہ دو سالوں سے اسی ویڈیو کانفرنسنگ نے تقریباً ایک فی صد تجارتی سفر کو کم کر دیا ہے اور امید کی جارہی ہے کہ مستقبل قریب میں اس سہولت سے تقریباً 30 فی صد سے زیادہ بین الاقوامی سفر خرچ میں کمی آجائے گی۔ ریڈرس ڈائجسٹ نے 1992 میں تقریباً 630 ہزار ڈالر کی تخفیف اپنے سفر خرچ میں اس ویڈیو کانفرنسنگ کی مدد سے کی تھی۔

ویڈیو کانفرنسنگ کی تکنیک

ویڈیو کانفرنسنگ آج کے ترقی یافتہ دور کی وہ جدید ترین تکنیک ہے جس میں آپ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے متعلقہ اشخاص سے روبرو گفتگو کر سکتے ہیں۔ آج یہ تکنیک اتنی آسان ہو چکی ہے کہ آپ اپنے ٹی وی مانیٹر کے سامنے رکھے ہوئے چند بٹنوں کو دبا کر کسی بھی مطلوبہ شخص کی تصویر لا کر اس سے براہ راست بات چیت کر سکتے ہیں، وہ شخص بھی اسی طرح اپنے مانیٹر پر آپ کو دیکھ اور سن سکتا ہے جس طرح آپ اس کو دیکھ اور سن رہے ہیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ کے لیے مندرجہ ذیل سازوسامان کی ضرورت ہوتی ہے:

(1) ڈیسک ٹاپ ویڈیو اسٹیشن کیمرہ، اسپیکر، مانیٹر، ریموٹ کنٹرول یونٹ، اسٹیشن کنٹرول وغیرہ۔

(2) نٹ ورک کنٹرول

(3) کوڈیک

(4) پرسنل کمپیوٹر

(5) ویڈیو کیسٹ ریکارڈس وغیرہ۔

ڈیسک ٹاپ ویڈیو کانفرنسنگ دراصل اپنے پرسنل کمپیوٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے والا وہ سسٹم ہے جس کی بدولت ایک شخص کسی دوسرے شخص سے اپنے کمپیوٹر کے اوپر رکھے کیمرے کے ذریعے، مثلاً کسی کمپنی کا سیلز منیجر اپنے فیلڈ آفیسر اور اپنے گاہکوں سے براہ راست رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ اس کو آفس چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح ایک پراجیکٹ منیجر اپنی کمپنی کے تمام انجینئروں کو جو مختلف جگہوں میں کسی پراجیکٹ پر کام کررہے ہیں، آسانی سے بغیر سفر کیے کنٹرول کر سکتا ہے۔

ویڈیو کانفرنسنگ جس تکنیک کے ذریعے ممکن ہو سکی ہے اسے "ویڈیو کمپریشن" کہتے ہیں۔ یہ دراصل پکچر سگنل کو مختصر کر کے عددی سلسلے میں تبدیل کر دیتا ہے اور اسے ایک محدود ڈیٹا چینل کے ذریعے بھیج دیتا ہے۔ جتنا محدود ڈیٹا چینل ہوگا ویڈیو کانفرنسنگ پر اتنا ہی کم خرچ ہوگا۔ اس انحصار کا تناسب 1400 اور ایک کی نسبت تک کا ہو سکتا ہے یعنی 350 صفحات کے ایک ناول کو مختصر کر کے ایک چوتھائی صفحہ میں لے آنا۔ اس طرح اس تکنیک کے ذریعے تمام تصویریں ایک جگہ سے دوسری جگہ چند لمحوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ سسٹم کا دوسرا اہم جز "کوڈیک" کہلاتا ہے۔ یہ دراصل کوڈر/ڈیکوڈر (Coder-Decoder) کا مخفف ہے۔ کوڈیک پہلے سمعی و بصری سگنل کو خفیہ تحریر میں منتقل کرتا ہے اور اس کے بعد اس کو عددی سلسلے میں تبدیل کر کے بھیج دیتا ہے۔ ایسا اس لیے ضروری ہے کہ دوران ترسیل کسی غیر مطلوب شخص نے اس سگنل کو اپنے پرسنل کمپیوٹر پر حاصل کر لیا تو وہ اسے آسانی سے پڑھ نہ سکے، اسی طرح ڈیکوڈر اس خفیہ تحریر کو اپنی اصل شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایک ساتھ سمعی و بصری سگنل کو بھیجنے اور حاصل کرنے کے اس نظام کو مکمل ڈپلکس مواصلاتی نظام کہتے ہیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ جدید ترین انٹیگریٹیڈ سروس ڈیجیٹل نٹ ورک (ISDN) تکنیک کی مدد سے اور زیادہ سستی و مقبول ہو جائے گی۔ 128 کیلوبٹ فی سیکنڈ والی آئی ایس ڈی این لائن کے ذریعے ڈیسک ٹاپ کانفرنسنگ گھر گھر میں مقبول و معروف ہو جائے گی۔

ویڈیو کانفرنسنگ کی اہم خصوصیات اور افادیت

ویڈیو کانفرنسنگ کی سب سے اہم خصوصیت سفر کے اخراجات میں غیر معمولی کمی ہے۔ مثال کے طور پر شکاگو شہر سے تین رفقائے کار کو کسی میٹنگ کے سلسلے میں ہندستان بلانے، ان کے ٹھہرانے اور دیگر اخراجات میں تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے صرف ہوں گے۔ اس کے علاوہ دوران سفر وقت کی بربادی کے ساتھ تھکان الگ ہوتی ہے۔ اس کی بجائے اگر ودیش سنچار نگم کے ایک کانفرنس سینٹر کو شکاگو شہر کے لیے کرایے پر لیا جائے تو اس کا خرچ فی گھنٹہ ساٹھ ہزار ہے یعنی ایک گھنٹے کی میٹنگ آپ ساڑھے تین لاکھ کی بجائے محض ساٹھ ہزار روپے میں ہی منعقد کر کے اپنا کام مکمل کر لیں گے۔

ویڈیو کانفرنسنگ میں ملٹی پوائنٹ کانفرنسنگ کی بھی سہولت رہتی ہے، یعنی اس کے ذریعے چار مختلف مقامات کے درمیان ایک ساتھ میٹنگ منعقد کی جاسکتی ہے۔ ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے آج بین الاقوامی کمپنیاں اپنے اہم فیصلے چند منٹوں میں مکمل کرنے کی اہل ہو گئی ہیں۔ ان کمپنیوں کے افسران کی کارکردگی کافی بڑھ گئی ہے۔ اس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بزنس پالیسی کے امور میں شامل کر کے اہم فیصلے کیے جارہے ہیں۔ اس تکنیک کے ذریعے امریکہ میں بیٹھا ہوا کینسر کا ماہر ڈاکٹر ہندستان میں موجود کینسر کے مریض کے آپریشن میں مشغول ڈاکٹروں کو اطمینان سے ہدایات دے سکتا ہے۔ گویا وہ اپنے اسکرین پر ہی بیٹھا بیٹھا ہزاروں میل دور سے اس مریض کا آپریشن کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ آج اس سہولت کی مدد سے مختلف ٹریننگ پروگرام، تعلیمی سمینار اور لکچر کرائے جارہے ہیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ کے اخراجات

ہندستان میں ویڈیو کانفرنسنگ کی سہولت ودیش سنچار نگم کے ذریعے مہیا کرائی جارہی ہے۔ اب تک نئی دہلی، مدراس، کولکتہ اور ممبئی میں ایک ساتھ ویڈیو کانفرنسنگ کی سہولتیں دستیاب ہو چکی ہیں۔ اندرون ملک آدھے گھنٹے کی میٹنگ کے لیے تقریباً چار ہزار سے پندرہ ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں اور بیرون ملک کے لیے تیرہ ہزار سے تیس ہزار کے بیچ مصارف ہو سکتے ہیں۔ اخراجات میں کمی بیشی کا انحصار اس امر پر ہے کہ آپ کس بی پی ایس (Bits per second) پر اپنی میٹنگ کرنا چاہتے ہیں اور وہ مقام آپ کے ترسیلی مرکز سے کتنا دور ہے۔ اس کی سروس کو حاصل کرنے کے لیے اس لائن پر پہلے سے ریزرویشن وی ایس این ایل سے کرانا پڑتا ہے جس کے چند اہم اجزا اس طرح ہیں:

1- سروس کی تاریخ
2- سروس کا وقت (جی ایم ٹی) میں افتتاحی اور اختتامی اوقات
3- ویڈیو سروس کس شہر سے
4- ویڈیو سروس کس ملک اور کس شہر سے
5- نشریاتی رفتار
6- بیرونی ملک میں رابطہ قائم کیے جانے والے شخص کا نام اور پتہ، فیکس، ٹیلی فون اور ٹیلکس نمبر۔

اس سلسلے میں مزید معلومات کے لیے اس پتہ پر رجوع کر سکتے ہیں۔

General Manager (Marketing)
Videsh Sanchar Nigam Limited
Videsh Sanchar Bhawan, 13 Floor
Mahatma Gandhi Road,
Fort Bombay-400001

ان ٹیل (Intel) نام کی کمپنی نے جو کمپیوٹر چپ بناتی ہے، اپنے ڈیسک ٹاپ ویڈیو کانفرنس سسٹم کی قیمت 2500 ڈالر رکھی ہے۔ اس کے ذریعے امریکہ میں ایک شخص اپنے پرسنل کمپیوٹر کے مانیٹر پر دوسرے شخص کے ساتھ آسانی سے آمنے سامنے گفتگو کر سکتا ہے۔ توقع ہے کہ ڈیسک ٹاپ سسٹم کی قیمت جب ایک ہزار ڈالر سے کم ہو جائے گی تو یہ سسٹم بھی ٹیلی فون اور فیکس مشین کی طرح بالکل عام ہو جائے گا۔ (بشکریہ منصف، حیدرآباد)

اردو زبان کی تدریس
معین الدین
اردو کیسے پڑھی اور پڑھائی جائے
درس و تدریس کے جدید سائنٹفک اصولوں کی روشنی میں تدریسی طریقہ کار کا تعین
طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید۔
پانچواں ایڈیشن
صفحات: 148 ، قیمت: 29.00

ہندوستان کا شاندار ماضی
مصنف: اے ایل باشم
مترجم: سید غلام سمنانی
ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن کا مفصل اور مکمل تعارف مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں
دوسرا ایڈیشن
صفحات: 748 ، قیمت: 145.00

اتر پردیش کے لوک گیت
اظہر علی فاروقی
ہمارے لوک گیتوں میں ہندوستان کی عوامی زندگی کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں اظہر علی فاروقی نے اتر پردیش کے وہ تمام گیت یکجا کر دیے ہیں جو مختلف موقعوں پر عوام کے دکھ سکھ کی ترجمانی کرتے ہیں
صفحات: 652 ، قیمت: 120.00

عظیم صدیقی کمپیوٹر کالم

مائکروسافٹ ورڈ

طرزِ خط کا فاصلتاً بدلنا (Change in default Font)

- جب بھی آپ MS Word کھول کر ٹائپ کرنا شروع کرتے ہیں تو ہمیشہ ایک خاص خط میں ٹائپ ہونے لگتا ہے۔ یہی اس کا فاصلتاً (Default) ٹائپ کہلاتا ہے۔ یعنی یہ خط اس کی عادت میں شامل ہے۔ آپ اس کی یہ عادت اپنی مرضی سے بدل سکتے ہیں۔
- فرض کیجیے اس وقت آپ کا فاصلتاً خط (Default Font = Arial Normal, 12 Points) ہے۔ آپ اس کو Times New Roman, Normal, 14 Points میں بدلنا چاہتے ہیں تو:
- A Font کے استفسار یے میں جا کر یہ تبدیلیاں کر لیجیے۔
- فوراً ہی ایک استفسار یہ نمودار ہوگا جس میں پوچھا جائے گا کہ آپ اپنا Default بدلنا چاہتے ہیں۔

Yes / No کے خانے میں Yes پر کلک کرنے سے آئندہ تمام دستاویز Times New Roman, 14 Points, Normal میں ہی ٹائپ ہوا کریں گی۔

- کام کو آسان بنانے کے لیے ذیل کی Short-Cut Keys بھی استعمال میں لائے جا سکتے ہیں:

تختہ تہجی کے بٹن	وہ کام جس کا اطلاق منتخب شدہ متن پر ہوگا	مثال
Ctrl + Shift + A	حرف کبیرہ میں تبدیل ہو جائے گا	ALL CAPS
Ctrl + Shift + K	حروف کبیرہ حروف صغیرہ میں تبدیل ہو جائیں گے	Small Caps
Ctrl + Shift + U	حروف کے نیچے ایک لائن آجائے گی	Underline Text
Ctrl + Shift + D	حروف کے نیچے دو لائنیں آجائیں گی	Double Underlined
Ctrl + Shift + W	صرف الفاظ کے نیچے ہی خط آئے گا	Only Words Underlined
Ctrl + Shift + H	متن چھپ جائے گا	Text will hide
Ctrl + Shift + <	حروف کی اونچائی باسلسلہ (Default) ایک نقطہ کم ہوگی	From 20 to 18 pt.
Ctrl + Shift + >	حروف کی اونچائی باسلسلہ (Default) ایک نقطہ زائد ہوگی	From 20 to 22 pt.
Ctrl + Space bar	تزئین کاری ختم ہو جائے گی	Formating will be removed

Ctrl + =	حرف جزر بن جائے گا (Subscipt)	H_2SO_4, H_2O
Ctrl + Shift + B	حرف مد بن جائے گا (Superscript)	$a^2+b^2 = (a+b)^2 + 2ab$
Ctrl + I	متن خطِ کج میں بدل جائے گا (Italics)	*Italics*
Ctrl + F	تلاش اور تبدیل کا استفساریہ نکل آئے گا	Find & Replace
Ctrl + {	حروف کی اونچائی ایک نقطہ کم ہوگی	From 9 pt. to 8 pt.
Ctrl + }	حروف کی اونچائی ایک نقطہ زیادہ ہوگی	From 9 pt. to 10 pt.
Ctrl + D	طرزِ خط کا استفساریہ نکل آئے گا	Font Dialogue

وتد پیرا (Indent of a Paragraph)

- اکثر پیراگراف کی پہلی سطر اصل متن سے کچھ فاصلے سے شروع ہوتی ہے۔ حاشیے اور پیرے کی پہلی سطر کے فاصلے کو وتد پیرا (Indent) کہتے ہیں، جیسا کہ اس پیراگراف سے ظاہر ہے۔

> This sentence was coined in the beginning of the twentieth century when typewfiters were in vogue. There could be many reasons assigned to the coining of this sentence.

لوحِ تقطیع

- اس وتد کو لانے کے لیے آپ کن ان میں سے کوئی ایک عمل کرنا ہوگا :
- لوحِ تقطیع پر بائیں ہاتھ پر یہ نشان بنا ہوا ہے۔ اس کے اوپری حصے کو کلک کر کے اور دبائے رکھ کر کھینچنے پر یہ حصہ چلنے لگتا ہے۔ ماؤس کو گھسیٹ کر اس نشان کو مطلوبہ جگہ پر لا کر ماؤس سے دباؤ ہٹالیں۔ نشان وہیں ٹھہر جائے گا۔ اس پیراگراف کی پہلی سطر وہیں سے شروع ہو جائے گی۔
- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ Space bar دبائے رکھیں جب کرسر مطلوبہ جگہ پہنچ جائے تو دباؤ ہٹالیں اور ٹائپ کریں۔
- تیسرا طریقہ یہ ہے کہ Tab کو ایک دفعہ دبائیں جو خصلتاً "0.5 ایک بار میں چلتا ہے۔ وہیں سے ٹائپ کریں۔
- تختۂ کنجی پر Ctrl + M دبانے سے وتد کا استفساریہ نکل آئے گا جس سے کئی کام لیے جاسکتے ہیں۔
- Ctrl + Shift + M دبانے سے وتد کی منزلیں ختم ہو سکتی ہیں۔

تقطیع کا تعین (Width of a Paragraph)

- دستاویز کی چوڑائی کا طریقہ پہلے دیا جا چکا ہے لیکن کبھی کبھی ایک پیراگراف کو دوسرے پیراگرافوں سے ممیز کرنے کے لیے اس کی چوڑائی میں ردوبدل کرنا پڑتا ہے۔ یہ آپ اس عمل سے کر سکتے ہیں۔
- عبارت کو منتخب کیجیے۔
- لوح تقطیع کے بائیں سرے پر نشان بنا ہوا ہے۔ اس پر کلک کرنے سے یہ بتدریج اور نشان میں تبدیل ہو جائے گا۔ آخری نشان کو قائم رکھتے ہوئے یہ عمل کریں۔
- دائیں طرف بنے ہوئے اس نشان پر کرسر لا کر ماؤس کا بائیں بٹن دبا کر گھسیٹیں۔ یہ نشان ساتھ ساتھ گھسٹا چلا آئے گا۔ جہاں لا کر اسے چھوڑیں گے پیراگراف وہیں تک سکڑ جائے گا۔ یہی عمل بائیں طرف بنے ہوئے نشان سے کر کے بائیں طرف سے پیراگراف کو چھوٹا کر سکتے ہیں۔
- مزید ممیز کرنے کے لیے پیرے کا طرز تحریر بھی بدلا جا سکتا ہے۔

لوح آلات پر پیرے کا ملان، پھیلان (Alignment & Justification on Tool Bar)

- جس عبارت کا ملان یا پھیلان کرنا ہو اس کو منتخب (Select) کرلیں۔
- لوح آلات پر اس علامت پر کلک کرنے سے عبارت کا ملان بائیں جانب(Left Align) ہو جائے گا۔
- لوح آلات پر اس علامت پر کلک کرنے سے عبارت کا ملان دائیں جانب(Right Align) ہو جائے گا۔
- لوح آلات پر اس علامت پر کلک کرنے سے عبارت کا ملان مرکز میں (Center Align) ہو جائے گا۔
- لوح آلات پر اس علامت پر کلک کرنے سے عبارت کا دونوں جانب پھیلان (Justified) ہو جائے گا۔

پیرا استفساریہ کے کام (Function of the Para Dialogue Box)

- اب تک بتائے گئے اکثر امور پیرا استفساریہ پر ایک بار ہی میں کیے جا سکتے ہیں۔
- متن منتخب کیجیے۔ Format پر کلک کیجیے۔ اس کی فہرست میں جا کر Paragraph پر کلک کریں گے تو ایک استفساریہ Dialogue Box نکل آئے گا۔ اس پر ان تمام امور کا تعین کر کے O K کرنے سے ان سب کا اطلاق ایک ہی بار میں ممکن ہے۔ اس سے وقت بچ جاتا ہے۔
- Alignment کے پیکان پر کلک کرنے سے ملان اور پھیلان کے کئی متبادلات نکلیں گے جس پر کلک کر کے پھر O K پر کلک کریں گے تو اس کا اطلاق منتخب شدہ عبارت پر ہوگا۔

(جاری)

محمد خالد کوئز

اردو ادب اقوال

(1) "غزل جتنی بدنام ہے اتنی ہی مجھے عزیز ہے۔" کس کا جملہ ہے؟
(الف) فراق (ب) فیض
(ج) رشید احمد صدیقی (د) کلیم الدین احمد

(2) "غزل کو میں اردو شاعری کی آبرو سمجھتا ہوں۔" کس نے لکھا؟
(الف) عظمت اللہ خاں (ب) اقبال
(ج) حسرت موہانی (د) رشید احمد صدیقی

(3) "ہماری تہذیب غزل میں اور غزل ہماری تہذیب میں ڈھلی ہے۔" یہ کس نے کہا؟
(الف) جگر (ب) غالب
(ج) رشید احمد صدیقی (د) فراق گورکھپوری

(4) غزل کی گردن بلا تکلف مار دینی چاہیے، ایسا خیال کس نے ظاہر کیا تھا؟
(الف) کلیم الدین (ب) عظمت اللہ خاں
(ج) الطاف حسین حالی (د) شبلی

(5) ہندستان نے اردو کے آئینے میں پہلی بار جمہوریت کی تصویر دیکھی۔" یہ کس کا قول ہے؟
(الف) رشید احمد صدیقی (ب) ابوالکلام آزاد
(ج) سرسید احمد خاں (د) جوش

(6) "میر نے اپنی ذات کو اجتماعیت سے کاٹا نہیں بلکہ اس میں پورے معاشرے کو شریک کر کے اپنے تجربے کو بیان کیا ہے۔ میر 'میں' سے 'ہم' تک ایک لمبے تجربے سے گزر کر پہنچے ہیں۔" یہ مدلل قول کس کا ہے؟
(الف) نثار احمد فاروقی (ب) شمس الرحمان فاروقی
(ج) جمیل جالبی (د) آل احمد سرور

(7) "میر کے نزدیک عشق ہی خالق، عشق ہی خلق، اور عشق ہی باعثِ ایجادِ خلق ہے۔" کس نے متعین کیا؟
(الف) علامہ اقبال (ب) غالب
(ج) جمیل جالبی (د) نثار احمد فاروقی

(8) "زبان اردو کی صرف و نحو، محاورات اور کثرت سے ہندی الفاظ کا اس میں استعمال ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس کی ابتدا ہندی سے ہوئی؟" اردو زبان کی ابتدا سے متعلق یہ بات کس نے کہی؟
(الف) محمود شیرانی (ب) نصیر الدین ہاشمی
(ج) رام بابو سکسینہ (د) محمد حسین آزاد

(9) اردو اور ہندی کو ملا کر اس کو ہندستانی زبان کہا جائے اور اس کا رسم خط دیوناگری میں ہو۔ یہ کس کی آرزو تھی؟
(الف) امرت رائے (ب) جواہر لال نہرو
(ج) مہاتما گاندھی (د) جے پرکاش نرائن

(10) ہر زبان کی طرح اردو کو بھی سماجی ضروریات نے جنم دیا۔" کس کا جملہ ہے؟
(الف) محمود شیرانی (ب) محمد حسین آزاد
(ج) احتشام حسین (د) رام بابو سکسینہ

(11) "غزل بڑی کافر صنفِ سخن ہے۔" کس نے کہا؟
(الف) کلیم الدین احمد (ب) آل احمد سرور
(ج) فراق گورکھپوری (د) اقبال

(12) "شاعر ایک خاص بحر میں غوطہ لگاتا ہے۔ غوطہ زنی کی سمت اور منزل بحر، قافیے، اور ردیف نے متعین کی ہے۔ ہر غوطے میں موتی ہی اس کے ہاتھ نہیں لگتا، سیپیاں اور گھونگھے بھی مل جاتے ہیں۔" یہ کس کے الفاظ ہیں؟
(الف) آل احمد سرور (ب) فیض احمد فیض
(ج) احمد ندیم قاسمی (د) فراق گورکھپوری

(13) "غزل عشق کی داستان ہے۔" کس کا قول ہے۔
(الف) فراق (ب) غالب
(ج) مجاز (د) آل احمد سرور

(14) میر نامرادی کے باوجود زندگی کے اور امن کے آداب کے عاشق ہیں۔ غالب تماشائے زندگی کے عاشق ہیں، اکبر مشرقیت کے عاشق ہیں، اقبال فکر و غور کے عاشق ہیں، انیس گنج شہیداں کے عاشق ہیں، غرض بڑی اور معنی خیز شاعری میں عشق کے بغیر کام نہیں چلتا۔"

کس کا جملہ ہیں۔
(الف) فراق (ب) جمیل جالبی
(ج) آلِ احمد سرور (د) کلیم الدین احمد

(15) "نثر میں الفاظ خراماں ہوتے ہیں، شاعری میں رقص کرتے ہیں۔ خرام دیکھا جاتا ہے، رقص محسوس کیا جاتا ہے۔"
(الف) گیان چند جین (ب) شمس الرحمان فاروقی
(ج) آلِ احمد سرور (د) سرسید احمد خاں

(16) "میر کی شاعری کا تخلیقی عمل ذات سے غیر ذات کی طرف ایک مسلسل سفر ہے۔" کس کا جملہ ہے؟
(الف) آلِ احمد سرور (ب) شمس الرحمان فاروقی
(ج) جمیل جالبی (د) نثار احمد فاروقی

(17) "میر جدید ہندستان کا قومی شاعر ہے۔" کس نے کہا ہے؟
(الف) نثار احمد فاروقی (ب) جمیل جالبی
(ج) عبدالحق (د) علی سردار جعفری

(18) "نظیر اکبر آبادی اردو شاعری کے آسمان پر ایک درخشندہ ستارہ ہے۔" یہ قول کس ناقد کا ہے؟
(الف) آلِ احمد سرور (ب) احتشام حسین
(ج) عبدالمغنی (د) کلیم الدین احمد

(19) "قیامت کے روز خدا مجھ سے سوال کرے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں یہی کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔" کس نے فرمایا؟
(الف) سید سلیمان ندوی (ب) شبلی
(ج) سرسید احمد خاں (د) وقار الملک

(20) "میر امّن کو اردو نثر میں وہی رتبہ حاصل ہے جو میر تقی میر کو شاعری میں حاصل ہے۔" باغ و بہار کی خصوصیت سے متعلق یہ کس نے کہا؟
(الف) شبلی (ب) گیان چند جین
(ج) سرسید احمد خاں (د) محمد حسین آزاد

(21) "اپنے وقت کی نہایت فصیح و شیریں زبان ہے۔" باغ و بہار کے اسلوب کے لیے کس نے کہا؟
(الف) گیان چند جین (ب) مولوی عبدالحق
(ج) وحید قریشی (د) وقار عظیم

(22) "میر اگر اہلِ زبان تھے تو امّن خالقِ زبان۔" کس کا قول ہے؟
(الف) کلیم الدین احمد (ب) ڈاکٹر سید عبداللہ
(ج) گیان چند جین (د) اطہر پرویز

(23) "خیالات ماخوذ، واقفیت محدود، نظر سطحی، فہم و ادراک معمولی، غور و فکر ناکافی، تمیز ادنیٰ اور دماغ و شخصیت اوسط۔" کلیم الدین احمد نے یہ بات کس کے لیے کہی ہے؟
(الف) آلِ احمد سرور (ب) شبلی نعمانی
(ج) اپنے لیے (د) رشید احمد صدیقی

(24) "وہ اپنے ایک ایک جملے اور فقرے پر غزل کے اشعار کی طرح داد لیتا ہے۔ اور میں دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوں کہ اچھا ہوا اس ظالم کو مصرع موزوں کرنے کا سلیقہ نہ آیا ورنہ کسی شاعر کو پنپنے نہ دیتا۔" کرشن چندر کے متعلق کس کے خیالات ہیں؟
(الف) راجندر سنگھ بیدی (ب) عصمت چغتائی
(ج) قرۃ العین حیدر (د) علی سردار جعفری

(25) "منٹو نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جہاں پہنچنے کے لیے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، جن کو بہت سے لوگ ممنوعات میں شمار کرتے ہیں۔" یہ کس کے جملے ہیں؟
(الف) وقار عظیم (ب) پریم چند
(ج) قرۃ العین حیدر (د) علی سردار جعفری

(26) "اس نے صحیح معنوں میں اردو افسانے کو حقیقت کی چلچلاتی دھوپ میں برہنہ پالا کر کھڑا کر دیا۔" منٹو سے متعلق یہ کس کا قول ہے؟
(الف) اطہر پرویز (ب) وارث علوی
(ج) علی سردار جعفری (د) وقار عظیم

(27) "منٹو نے گھبرائے اور چکرائے بغیر زندگی کی الم ناکی اور ہولناکی کا ایسا مشاہدہ کیا ہے جو پتھر کا پتہ بھی پانی کر دے۔" کس نے لکھا ہے؟
(الف) راجندر سنگھ بیدی (ب) عصمت چغتائی
(ج) وارث علوی (د) گیان چند جین

(28) "وہ دنیا کی ٹھکرائی، گھورے پر پھینکی ہوئی غلاظت میں سے موتی چن کر نکالتا ہے۔ گھورا کریدنے کا اسے شوق ہے کیوں کہ اسے دنیا کے سنوارنے والوں پر بھروسہ نہیں۔" منٹو کے لیے کس نے کہا؟
(الف) عصمت چغتائی (ب) علی سردار جعفری
(ج) قرۃ العین حیدر (د) اطہر پرویز

(29) "نثر میں شاعری کرتے ہیں اور شاعری میں نثر لکھتے ہیں۔" رام بابو سکسینہ نے یہ بات کس کے لیے لکھی؟

(الف) غالب (ب) شبلی

(ج) سر سید احمد خاں (د) محمد حسین آزاد

(30) کس نے 'مہدی افادی' کو 'والٹر پیٹر' کے مماثل قرار دیا؟

(الف) آل احمد سرور (ب) کلیم الدین احمد

(ج) احتشام حسین (د) مجنوں گورکھپوری

(31) "غزل شاعری نہیں عطر شاعری ہے۔" کس نے کہا؟

(الف) مجروح سلطان پوری (ب) ساحرلدھیانوی

(ج) ن م راشد (د) فراق گورکھپوری

(32) "ان کو زبان اردو کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ارسطو کو فلسفے کے ساتھ۔" خان آرزو کی نسبت کس نے کہا؟

(الف) مولوی عبدالحق (ب) شیفتہ

(ج) منشی کریم الدین (د) محمد حسین آزاد

(33) راجندر سنگھ بیدی کو تھیم کا بادشاہ کس نے کہا؟

(الف) عبدالماجد دریابادی (ب) مجتبیٰ حسین

(ج) وقار عظیم (د) کنھیالال کپور

(34) "مجھ سے اردو کے صرف تین افسانہ نگاروں کے نام لینے کو کہا جائے تو میں ایک ہی سانس میں گنوادوں گا پریم چند، منٹو اور بیدی۔" کس نے کہا؟

(الف) اپندر ناتھ اشک (ب) پرکاش پنڈت

(ج) وقار عظیم (د) علی سردار جعفری

(35) "میری خواہش ہے کہ ہندو اردو، اور مسلمان ہندی سیکھیں" کس کا قول ہے؟

(الف) محمد علی جناح (ب) جواہر لال نہرو

(ج) مہاتما گاندھی (د) ابوالکلام آزاد

(36) "یہ اینٹ پر اینٹ رکھ کر افسانہ تعمیر کرتے ہیں۔" آل احمد سرور نے کس افسانہ نگار کے لیے کہا تھا؟

(الف) راجندر سنگھ بیدی (ب) منٹو

(ج) کرشن چندر (د) سجاد حیدر یلدرم

(37) "مجاز انقلاب کا ڈھنڈورچی نہیں، انقلاب کا مطرب ہے۔" یہ کس نے کہا تھا؟

(الف) مجروح (ب) جوش

(ج) اختر شیرانی (د) فیض

(38) "جوش کی شاعری اندر سے بے انتہا بے مغز اور کھوکھلی ہے۔" کس نے کہا؟

(الف) رام بابو سکسینہ (ب) آل احمد سرور

(ج) مجنوں گورکھپوری (د) مسعود حسین خاں

(39) "فراق نے اردو شاعری کے طاق میں ہندسانیت اور آفاقیت کی شمع روشن کی۔" یہ کس نے کہا؟

(الف) نیاز فتح پوری (ب) عبدالسلام ندوی

(ج) سلام سندیلوی (د) خورشید الاسلام

(40) "پنجاب کے مسلمان سر سید کی منادی پر اس طرح دوڑے جیسے پیاسا پانی پر۔" کس کا قول ہے؟

(الف) کلیم الدین احمد (ب) آل احمد سرور

(ج) الطاف حسین حالی (د) اعجاز حسین

(41) کس نے سودا کو قصیدہ گوئی میں نقاشِ اوّل کہا ہے؟

(الف) انشاء (ب) جرأت

(ج) شیفتہ (د) مصحفی

(42) کس مشہور و معروف شاعر نے غالب کو جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کا ہمنوا کہا ہے؟

(الف) فیض احمد فیض (ب) علامہ اقبال

(ج) فراق گورکھپوری (د) مجاز

(43) "بڑے تخلیقی کارنامے بغیر ایک اچھے تنقیدی شعور کے وجود میں نہیں آسکتے۔" کس نے لکھا؟

(الف) کلیم الدین احمد (ب) احتشام حسین

(ج) مجنوں گورکھپوری (د) آل احمد سرور

(44) "ادبی اصول و نظریات کو میں ترقی پسندوں کی طرح مطلق اور آفاقی اور ہمہ وقتی نہیں سمجھتا۔" کس نے کہا؟

(الف) اعجاز حسین (ب) کلیم الدین احمد

(ج) گوپی چند نارنگ (د) شمس الرحمان فاروقی

(45) "ادب میں تبدیلی برحق ہے اور اسی سے ادب کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔ البتہ ادب گو گروہ بندی اور صف آرائی سے ہوتا ہے۔" یہ کس کا قول ہے؟

(الف) محمد حسن (ب) آل احمد سرور

(ج) گوپی چند نارنگ (د) مجنوں گورکھپوری

(46) "کس مشہور ناقد نے راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کے "ترشا ہوا ہیرا" کہا ہے؟

(الف) احتشام حسین (ب) آل احمد سرور
(ج) عبدالمغنی (د) کلیم الدین احمد

(47) "اس کے نغمے میں برسات کے دن کی سی سکون بخش خنکی اور بہار کی رات کی سی گرم جوش تاثر آفرینی ہے۔" مجاز کے متعلق یہ کس نے کہا؟

(الف) جوش (ب) فراق گورکھپوری
(ج) فیض (د) اختر شیرانی

(48) "میں عشق کے بارے میں سوچتا ہوں تو صرف شہوانیت ہی نظر آتی ہے۔ عورت کو شہوانیت سے الگ کر کے دیکھتا ہوں تو وہ پتھر کی ایک مورتی رہ جاتی ہے۔" کس افسانہ نگار کا قول ہے؟

(الف) کرشن چندر (ب) منٹو
(ج) عزیز احمد (د) عصمت چغتائی

(49) کس نے قصیدہ اور غزل کو شاعری کا ناپاک دفتر کہا اور عفونت میں اسے سنڈاس سے بدتر بتایا۔

(الف) رشید احمد صدیقی (ب) کلیم الدین احمد
(ج) الطاف حسین حالی (د) شبلی

(50) "میرے نزدیک مارواڑی عورتیں مجموعہ ہیں تین چیزوں کا — گھونگھٹ، گندگی، اور گہنا۔" یہ کس نے کہا؟

(الف) رشید احمد صدیقی (ب) عبدالماجد دریا آبادی
(ج) منٹو (د) راشد الخیری

(جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں)

□□□ 39, Sabarmati Hostel, J N U, New Delhi-67

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

محکمہ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

گلشنِ بے خار

نواب مصطفٰے خاں شیفتہ

ترجمہ: حمیدہ خاتون

اردو شعرا کے تذکروں میں "گلشنِ بے خار" خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ فارسی زبان میں تھا، حمیدہ خاتون نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے۔

(پہلا ایڈیشن)، صفحات: 430، قیمت: 128

کلیاتِ فانی

فانی بدایونی

مرتب: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

فانی بدایونی اپنے عہد کے ممتاز غزل گو شعرا میں تھے جن کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ کلیات میں غزلوں کے علاوہ دیگر اصناف بھی شامل ہیں۔

(دوسرا ایڈیشن)، صفحات: 318، قیمت: 63

کلیاتِ جلیل

جلیل مانکپوری

مرتب: علی احمد جلیلی

جلیل مانکپوری حیدر آباد دکن کے دو حکمرانوں میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے استاد سخن رہے اور انھیں امیر مینائی کی جانشینی کا شرف بھی ملا۔ یہ ان کا پورا کلام ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)، صفحات: 358، قیمت: 80

شریمد بھگوت گیتا

مترجم: حسن الدین احمد

بقول پنڈت سندر لال حسن الدین احمد صاحب نے "جو کامیابی گیتا کے شلوکوں کے مفہوم کو اردو میں ادا کرنے میں حاصل کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔"

(تیسرا ایڈیشن)

صفحات: 120، قیمت: 38

پانچ جدید مغربی ڈرامے

ترجمہ اور تعارف: زاہدہ زیدی

ان پانچ ڈراموں کا شمار جدید مغربی تھیٹر کے اہم ترین فن پاروں میں ہوتا ہے۔ ہمہ گیروژن، فنی ندرت اور گہری معنویت کے حامل یہ ڈرامے قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے مصنفین ہیں یوجین ایونیکو، مینول دی پیدرولو، ژاں پال سارترا اور سیمول بیکٹ۔

(پہلا ایڈیشن)، صفحات: 406، قیمت: 126

اردو زبان کا جادو (حصہ اوّل، دوم)

مرتبین: مسز بی۔ شیاملا کماری
پروفیسر ماہ جبیں نجم

اردو سکھانے والی دو آسان کتابیں

جو تدریس زبان کے جدید سائنٹفک اصولوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں بچوں کے ساتھ ساتھ اردو سیکھنے والے بالغوں کے لیے بھی کارآمد ہیں۔

(حصہ اوّل، قیمت: 43)، (حصہ دوم، قیمت: 46)

اردو خبر نامہ

گوپی چند نارنگ کو اندرا گاندھی میموریل فیلو شپ

● نئی دہلی، 16 / مئی 2002۔ ممتاز نقاد اور دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ کو باوقار اندرا گاندھی میموریل فیلوشپ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ اس فیلوشپ میں ماہانہ بارہ ہزار روپے کے علاوہ ڈھائی ہزار روپے معتمدی امداد کے طور پر اور 25 ہزار روپے سالانہ اخراجات سفر کے لیے دیے جائیں گے۔ فیلوشپ کی مدت دو برس ہے لیکن تیسرے برس کے لیے توسیع ہو سکتی ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کو یہ اعزاز جاشوا کیٹلر کی اوّلیں ہندستانی قواعد کو ایڈیٹ کرنے اور موجودہ اردو اور ہندی سے اس کی مطابقت طے کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ کیٹلر کا واحد قلمی نسخہ دی ہیگ (ہالینڈ) کے قومی آرکائیوز میں محفوظ ہے۔ یہ میر و سودا کے زمانے سے بھی پرانا ہے اور 1698 کا لکھا ہوا ہے (یعنی اورنگ زیب کے انتقال سے نو برس پہلے کا)۔

پروفیسر نارنگ کے علاوہ یہ اعزاز دو اور اسکالروں کو بھی دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ستیہ نارائن ریڈی کے پروجیکٹ کا تعلق موسیقی میں تخلیقیت سے اور ڈاکٹر سنیتا جین کے پروجیکٹ کا تعلق شاعری اور مصوری کے رشتے سے ہے۔ اس سے پہلے یہ فیلوشپ اپاپا نیکر، دلیپ چترے، استاد فہیم الدین ڈاگر، ڈاکٹر پدما سارنگاپانی اور ڈاکٹر طنی ٹھاکر کو دی جا چکی ہے۔

اردو تدریس کے تقاضوں پر مبنی اساتذہ کا سمینار

● بھوپال، 28 / مارچ۔ اردو درس و تدریس اور طریقۂ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ سائنٹفک بنانے کی ضرورت کے پیشِ نظر ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، بھوپال میں 27 اور 28 مارچ کو دو روزہ سمینار منعقد کیا گیا۔ اس کا موضوع ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو تدریس کے تقاضے تھا اور اس میں بھوپال کے متعدد ہائر سیکنڈری اسکولوں کے ان اساتذہ کو مدعو کیا گیا تھا جو ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں اردو زبان کی تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مستقبل کے ان اردو اساتذہ کو بھی شرکت کی اجازت دی گئی جو ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں بی ایڈ (دو سالہ کورس) کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر ایس اے شفیع نے اساتذہ سے اپیل کی کہ اردو زبان و ادب کی تدریس کی طرف خصوصی توجہ دیں اور حالات کے تقاضوں کے مطابق اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ابتدا میں طالب علموں کو اپنی بات کہنے میں جھجک بھی ہوتی ہے اور دقت بھی۔ اس لیے ایک اچھا استاد تدریس کے پہلے مرحلے میں طالبِ علموں کی اس رکاوٹ کو دور کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ تدریس میں سب سے زیادہ اہمیت زبان کے معیار اور ترسیل کی ہے۔ موجودہ زمانے میں زبان کی تعلیم غیر اہم کیوں ہوتی جارہی ہے اس کے اسباب کی چھان بین کی جانی چاہیے۔ صدر شعبہ پروفیسر جے پی سنگھ نے کہا کہ استاد کو جب تدریسی مواد پر عبور حاصل ہوتا ہے تو اس کی تدریس دلچسپ بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی۔ انھوں نے کہا کہ آج یہ ضروری معلوم پڑتا ہے کہ اردو تعلیم کی صورتِ حال کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور نتائج کی روشنی میں اپنا لائحۂ عمل ازسرِنو مرتب کریں۔

اردو لیکچرر اور سمینار کے کنوینر ڈاکٹر فاروق انصاری نے معاشرے میں ہو رہی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان تبدیلیوں کے مدِّنظر اردو تدریس کے طریقوں میں بھی تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تدریس کا عمل بامعنی اور نتیجہ خیز ہو سکے۔ انھوں نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو زبان کی تدریس کا مختصر لیکن جامع خاکہ پیش کیا اور کہا کہ اردو کو اس وقت فرائضِ منصبی سے زیادہ اساتذہ کی رضاکارانہ خدمات کی ضرورت ہے۔

سمینار کے دوسرے اجلاس میں پروفیسر آفاق احمد نے "اردو تدریس کی موجودہ صورتِ حال" موضوع پر رہنما تحریر پیش کی۔ انھوں نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو درس و تدریس سے متعلق اس سوال کی طرف متوجہ کیا کہ ہمارے بچے اردو پڑھ کر مستقبل میں کیا کریں گے۔ روزی کا مسئلہ کسی زبان سے جڑا ہوا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اردو زبان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں کے ساتھ بھی ہے۔ پروفیسر آفاق احمد نے ایک سروے رپورٹ کے حوالے سے بتایا کہ صرف بھوپال شہر میں ہی تقریباً پندرہ ہزار بچے مختلف اسکولوں میں اردو پڑھ رہے ہیں اور وہ کسی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہیں۔

تیسرے اجلاس میں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو نثر اور قواعد کی تدریس کے تقاضے موضوع پر پروفیسر سید حیدر عباس رضوی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی نصاب میں زبان کی تکمیل اور ادب کے تعارف کے رشتے کی وضاحت کی اور بتایا کہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر زبان کے رسمی اور غیر رسمی استعمال کی تعلیم مکمل ہو جاتی ہے اور ادبیات کا تعارف شروع ہوتا ہے۔ قواعد کے بارے میں انھوں نے روایتی طریقے کو

ترک کر کے عملی طریقے سے سبق سے تعلق پیدا کر کے قواعد کی اصطلاحیں سمجھانے کا طریقہ بتایا۔ انھوں نے اپنی بات کو مثالیں دے کر ثابت بھی کیا۔

دوسرے روز کے پہلے اجلاس میں پروفیسر اظہر راہی نے "ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو شاعری کی تدریس کے تقاضے" پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ نظم کی تدریس میں انھوں نے غنائی کیفیت سمجھانے کے لیے ترنم اور اداکاری کے طریقے کو اپنانے کا ذکر کیا۔ سنجیدہ نظموں کو معنی، تلمیحات اور تشبیہات کی وضاحت کے ذریعے پڑھانے کا طریقہ بتایا۔ بعض نظموں کو مکالماتی طریقوں سے سمجھانے کا اصول اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور بعض جگہ تشریحاتی طریقے کے مفید ہونے کا ذکر کیا اور یہ بنیادی اصول بیان کیا کہ "استاد کا فریضہ ہے کہ وہ نظم کا مطلب ہی نہیں سمجھائے بلکہ دل میں ایسا اثر پیدا کردے کہ نظم حافظے کا حصہ بن جائے۔" غزل کی تدریس کے بارے میں پروفیسر راہی نے بتایا کہ غزل کے اشعار سمجھانے میں پہلے طالب علم کو غزل کے تصورات، اس صنف کی امتیازی خصوصیات اور اس کے انداز بیان کی شناخت کرانا ضروری ہے۔ شعر کا صحیح پڑھنا غزل کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے پہلا قدم ہے۔

اگلے اجلاس میں "ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح پر اردو تدریس کے تقاضے اور اساتذہ کے مسائل" موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے جناب ظہور الاسلام نے کہا کہ زبان کی تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ طالب علم زبان پر دسترس حاصل کر کے ادبی فن پاروں کا مطالعہ کرنے کے قابل بن جائے۔ اساتذہ کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے تدریسی مسائل کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کے مسائل کو بھی احاطہ تحریر میں لیا۔ انھوں نے کہا کہ آج جب کہ اساتذہ کی تقرری میں جانبداری سے کام لیا جارہا ہے اور غیر تربیت یافتہ اساتذہ کے ذریعے کلاس روم میں اردو تدریس کا کام انجام دیا جارہا ہے، یہ ضروری ہے اساتذہ اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کریں، مطالعہ کا شوق پیدا کریں، سستی شرح گائڈ اور نوٹس پر انحصار کرنے کے بجائے نصابی کتب اور ادبی کتب سے استفادہ کریں۔

آخری اجلاس میں "امتحانات اور جانچ کے مسائل اور اردو تدریس" موضوع پر ڈاکٹر نسیم شہوی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے جانچ کے مقاصد امتحان کے طریقے، رزلٹ کی تیاری، امتحان کی خامیاں، اور طریقۂ جانچ کے ذیلی نکات پر اپنی تحریر کو مکمل کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ امتحان کا مقصد اگلی جماعت میں ترقی حاصل کرنا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کی استعداد صرف امتحانی سوالات کے جوابات تک محدود رہ جاتی ہے۔ اس صورت حال سے باہر نکلنے کی ضرورت ہے۔

سمینار کے اختتامی اجلاس میں ریجنل انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر ایس اے شفیع اور ڈین پروفیسر آئی کے بنسل خصوصی طور پر شریک ہوئے۔ ڈاکٹر فاروق انصاری نے دوروزہ سمینار کی کاروائی کی نشست وار رپورٹ پیش کی اور تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

انجمن ترقی اردو ہند (مہاراشٹر) کے زیر اہتمام
غیر اردو داں طبقے کے لیے اردو کلاسز کا اجرا

● گزشتہ دنوں ممبئی شہر کے تین اہم مقامات پر انجمن ترقی اردو ہند (مہاراشٹر) نے انجمن اسلام (ممبئی) کے اشتراک سے غیر اردو داں طبقے کے لیے اردو کلاسوں کا اجرا کیا۔ 8/مئی 2002 کو جوہو مرکز، جوہو ولے پارلے کا افتتاح جناب سمیع خطیب کے ہاتھوں ہوا جنھوں نے تختۂ سیاہ پر اردو عبارت لکھ کر کلاس کا اجرا کیا اور غیر اردو داں حضرات خصوصاً انگریزی میڈیم کے طلبہ کو اردو پڑھانے کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ جوہو متمول مسلمانوں اور فلمی ہستیوں کا علاقہ ہے اس لیے اس علاقے میں اس طرح کی کلاس کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ شرکائے محفل سے مشہور صحافی حسن کمال، ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی اور مقبول شاعر گنیش بہاری طرز نے بھی خطاب کیا۔ اس سے قبل انجمن ترقی اردو ہند (مہاراشٹر) کے جنرل سکریٹری فیاض احمد فیضی نے اردو کلاسوں کی تفصیلات سے سامعین اور طلبہ کو آگاہ کیا۔

10/مئی 2002 کو اردو کلاسوں کے سی ایس ٹی سینٹر کا افتتاح طے کیا گیا تھا۔ اسی روز صبح یہ اندوہناک خبر آئی کہ مشہور ترقی پسند شاعر کیفی اعظمی کا انتقال ہوگیا۔ انجمن اسلام ممبئی کے صدر ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا کے مشورے پر اسی روز شام پانچ بجے اکبر پیر بھائی ہال میں کیفی اعظمی مرحوم کے لیے تعزیتی نشست اور اردو کلاسوں کے سی ایس ٹی مرکز کا اجرا عمل میں آیا۔ اس پروگرام کی صدارت ڈاکٹر رفیق زکریا نے فرمائی۔ پروگرام کی ابتدا میں ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نے حاضرین کو کیفی اعظمی کے سانحۂ ارتحال کی خبر دیتے ہوئے اظہار افسوس کیا اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ کیفی اعظمی بیک وقت ایک بڑے شاعر، نثر نگار، دانشور، صحافی اور مظلوموں کے مسیحا تھے۔

تعزیتی نشست کے بعد انجمن ترقی اردو (مہاراشٹر) کی اردو کلاسز کے سی ایس ٹی مرکز کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اسحٰق جمخانہ والا نے کہا کہ اردو دنیا کی پانچ بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ مگر محض تعصب کی بنا پر اس زبان کے ساتھ ہمارے ملک میں سوتیلا سلوک کیا گیا جس کی وجہ سے آج بے شمار لوگ اردو کی شیرینی سے محروم ہوگئے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر نے اردو کی شیرینی کو گھر گھر

پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں انجمن اسلام، انجمن ترقی اردو کی ہر ممکن مدد کرے گی اور پورے مہاراشٹر میں انجمن اسلام کے جتنے تعلیمی ادارے ہیں وہاں اس قسم کی کلاسیں قائم کرنے میں ہم پورا تعاون دیں گے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں مگر حکومت کے کچھ فیصلوں سے امید کی کرن نظر آتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت نے مقابلے کے امتحانات اور میڈیکل داخلے کے امتحانات میں سوالات کے پرچوں کو اردو میں بھی جاری کرنے کا فیصلہ کر کے اردو کے فروغ کا قدم اٹھایا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کی نئی مجلسِ عاملہ مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک ٹھوس قدم اٹھایا ہے۔ انجمن چاہے تو وہ ان کے ادارے خلافت کالج آف ایجوکیشن، بھائیکلہ میں بھی اردو کلاسوں کا آغاز کر سکتی ہے۔

مشہور شاعر اور صحافی جناب شمیم طارق نے اس موقع پر کہا کہ اس ملک میں اردو بولنے والوں کی تعداد ہندی والوں سے زیادہ ہے مگر یہ المیہ ہے کہ اردو رسم خط جاننے والوں کی تعداد اسی قدر کم ہے۔ انھوں نے اس موقعے پر کہا کہ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر اردو کے فروغ کے لیے جو تحریک چلا رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے مزید آگے بڑھایا جائے۔ جناب عبدالاحد ساز نے کہا کہ اردو اور ہندی دونوں جڑواں بہنیں ہیں اور دونوں کے افعال (Verbs) بھی ایک ہی ہیں۔ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر آدم شیخ نے کہا کہ اردو کے فروغ کا کام دو سطحوں پر ہونا چاہیے۔ انگریزی اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ اور نوجوانوں کو اردو سکھائی جائے اور تعلیم بالغاں کے تحت تمام لوگوں تک اردو کی شیرینی پہنچائی جائے۔

اگلے روز یعنی سنیچر 11 / مئی 2002 کو انجمنِ اسلام ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا گرلز ہائی اسکول وجونیئر کالج باندرہ میں اردو کلاسوں کے تیسرے مرکز کا افتتاح اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر آدم شیخ کے ہاتھوں ہوا۔ شرکائے محفل میں صدر نشین پروفیسر شاکر گاپا کے علاوہ جناب رضوان حارث، اکبر پریم جی، مسیح خطیب، پرنسپل سلمیٰ لوکھنڈوالا اور عبدالاحد ساز نے خطاب کیا اور اردو کلاس کے سلسلے میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ جنرل سکریٹری فیاض احمد فیضی نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور کہا کہ اردو کلاسوں میں عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کے مرتب کیے ہوئے نصاب کے علاوہ انگریزی میڈیم کے طلبہ کے لیے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی شائع کردہ کتابوں کو پڑھایا جا رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کے تینوں مراکز پر ساٹھ سے زائد طلبہ اردو لکھنا اور پڑھنا سیکھ رہے ہیں جن میں بڑی تعداد غیر مسلموں کی ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ ایک برس کے اندر یہ تعداد انشاءاللہ ایک ہزار تک پہنچنے کی امید ہے۔ (ڈاک سے)

امتحانات میں اردو میڈیم اسکولوں کا نتیجہ بہتر

● نئی دہلی، 28 / مئی۔ سی بی ایس ای کے تحت دسویں جماعت کے امتحانات میں اس سال اردو میڈیم اسکولوں کا نتیجہ اچھا رہا۔ اکثر اسکولوں کے طلبہ نے کامیابی حاصل کی۔ مشرقی دہلی کے ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول کے طلبہ نے امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی ہے۔ اس سال اسکول سے بورڈ کے امتحان میں 58 طلبہ و طالبات نے شرکت کی جن میں سے 44 کامیاب ہوئے جب کہ 13 کی مختلف مضامین میں کمپارٹمنٹ آئی ہے۔ اسکول کا مجموعی نتیجہ 76 فی صد رہا۔ نتیجے کے متعلق اسکول کے پرنسپل محمد معروف خاں نے کہا کہ ہماری کوشش ہوگی کہ آئندہ سال 100 فی صد نتیجہ حاصل کیا جائے۔ سرودیہ بال ودیالیہ جامع مسجد دہلی میں بھی دسویں اور بارھویں جماعت کے نتائج اچھے رہے۔ بارھویں کلاس میں طلبہ کی کل تعداد 32 تھی جن میں سے 28 نے کامیابی حاصل کی اور 11 نے امتیازی نمبر حاصل کیے۔ بارھویں جماعت کا نتیجہ 88 فی صد رہا۔ جب کہ دسویں کلاس کے امتحان میں 15 بچوں نے شرکت کی۔ جن میں سے 9 نے کامیابی حاصل کی۔ مظہر الاسلام سیکنڈری اسکول فراشخانہ دہلی کے دسویں کلاس کے رزلٹ میں اس سال 11 فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس رزلٹ سے منتظمہ کمیٹی کے چیئرمین محمد حنیف کے علاوہ دیگر اراکین منتظمہ کمیٹی اور اسکول کے وائس پرنسپل مشتاق بیگ نے قدرے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک اس اسکول کا صد فی صد رزلٹ نہیں آتا میں مطمئن نہیں ہوں گا۔ انھوں نے بتایا کہ طلبہ کی دلچسپی کی کمی اور والدین کا عدم تعاون اسکول کے بہترین رزلٹ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ انھوں نے کہا کہ جتنی دلچسپی اور لگن سے اساتذہ پڑھاتے ہیں اگر اس سے آدھی دلچسپی اور لگن طلبہ و والدین لینے لگیں تو مجھے یقین کامل ہے کہ اس اسکول کا رزلٹ صد فیصد آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

طلبہ کی کمی سے اردو میڈیم مدارس کو خطرہ

● حیدرآباد، 28 / مئی۔ اردو زبان کو لاحق مسائل خود اردو والوں کے تساہل اور تغافل کی دین ہیں۔ ان کے اس تساہل سے آج سرکاری اردو میڈیم مدارس میں طلبہ کی کمی کے باعث گورنمنٹ اردو میڈیم اسکول بند ہونے کے قریب ہیں اور بند ہو رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار جناب عابد

صدیقی نیوز ایڈیٹر دوردرشن نے مجلسِ محبانِ اردو کے زیرِ اہتمام "اردو کا فروغ اور ہماری ذمّے داریاں" کے زیرِ عنوان مراد نگر میں منعقدہ سمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ صدارت حکیم سید علی رضوی صدر مجلسِ محبانِ اردو نے کی۔ جناب عابد صدیقی نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ریاستی حکومت نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے اور اس پر تبصروں اور تنقیدوں کی بجائے ہمیں چاہیے کہ ہم اس پر عمل آوری کے لیے سوچیں۔ خصوصاً برسرِ اقتدار جماعت میں شامل اقلیتی نمائندوں اور اردو والوں کی اہم ترین ذمّے داری ہے کہ وہ حکومت کو اس سلسلے میں متوجہ کریں۔ انھوں نے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ اردو اکیڈمی کی جانب سے شہر اور اضلاع میں قائم کردہ اردو کمپیوٹر ٹریننگ سے بھرپور فائدہ حاصل کریں اور اردو والوں پر زور دیا کہ وہ اپنے بچوں کو اردو میڈیم مدارس میں شریک کروائیں یا پھر زبانِ دوم کے طور پر اردو پڑھائیں۔ جناب محمد نذیر خاں نے کہا کہ اردو والوں کو حکومت پر تکیہ کیے بغیر خود اردو کے فروغ کے لیے آگے آنا ہوگا۔ انھوں نے اس سلسلے میں بعض اداروں کی جانب سے جاری مساعی کی سراہنا کی۔ قبل ازیں جناب ماجد یوسفی معتمدِ عمومی نے مجلسِ محبانِ اردو کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی اور شرکا کا خیر مقدم کیا۔ حکیم سید علی رضوی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ تلگودیشم حکومت نے 14 اضلاع میں اردو کو سرکاری زبان کا موقف دینے کا اعلان کیا لیکن پانچ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اس سلسلے میں عملی طور پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں ایوان اسمبلی میں مجلس اتحاد المسلمین کی موثر نمائندگی اور طلبہ کو انفراسٹرکچر کی فراہمی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اردو اکیڈمی اور عابد علی خاں ایجوکیشنل ٹرسٹ کی سراہنا کی۔ انھوں نے حیدر آباد کی اردو صحافت کے بلند معیار اور اس کے اردو کے فروغ میں رول کو ناقابلِ فراموش قرار دیا۔ اس سمینار کو جناب احمد محی الدین افسر چیف ایڈیٹر اسٹیٹ سماچار نے بھی مخاطب کیا اور کہا کہ اردو صحافت نامساعد حالات میں اردو کے فروغ میں اہم رول ادا کر رہی ہے۔ (سیاست، حیدر آباد)

دسویں جماعت کی نصابی کتاب "ہماری زبان" تیار

● نئی دہلی۔ این سی ای آر ٹی نے پروفیسر محمد صابرین کی نگرانی میں اردو زبان کی سبھی نصابی کتابیں تیار کرنے کے نئے پروگرام کو تیزی سے مکمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ڈائرکٹر پروفیسر جے. ایس. راجپوت بھی اس سلسلے میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اب تک کئی کتابوں کا کام مکمل کر لیا گیا ہے۔ دسویں جماعت کی اردو کتاب "ہماری زبان" کے مسودے پر نظر ثانی کرکے قطعیت دینے کے لیے ماہرین کا ایک خصوصی ورکشاپ 13/ مئی سے 17/ مئی تک ڈاکٹر خلیق انجم کی صدارت میں، اردو گھر نئی دہلی میں منعقد ہوا جس میں یہ کام مکمل کر لیا گیا۔ اس کتاب میں حصۂ نظم اور حصۂ نثر کے علاوہ، طلبہ کی ہمہ گیر ذہنی بالیدگی کے لیے ضروری بعض دلچسپ سائنسی اور معلوماتی مضامین بھی شامل ہیں۔ (ڈاک سے)

غیر اردو داں عہدیداروں کے لیے اردو کی کتاب

● حیدر آباد، 28/ مئی۔ ریاست آندھرا پردیش کے 13 اضلاع میں قانونِ سرکاری زبان بابت 1968 میں ترمیم کے ذریعے اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دینے کے نتیجے میں نہ صرف ان اضلاع میں کام کرنے والے سرکاری عہدیدار بلکہ آئی اے ایس عہدیدار اور ساری ریاست کے سرکاری اعلیٰ عہدیداروں میں اردو سیکھنے میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اس دلچسپی کو دیکھتے ہوئے صدر، اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری ایڈوکیٹ کی ہدایت کے مطابق اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے انگریزی اور تلگو سے واقف افراد کو اردو سکھانے کی غرض سے ایک قاعدہ "آسانی سے اردو سیکھیے" ترتیب دیا ہے۔ اس کی اشاعت آندھرا پردیش اردو اکادمی نے کی ہے۔ اس قاعدے کی ترتیب و تالیف میں جناب رضی الرحمن، جناب لطیف جدت اور ڈاکٹر صبیحہ نسرین کی کاوشوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ (سیاست، حیدر آباد)

ہندستان کے موجودہ حالات اور ادیب

● حیدر آباد، 27/ مئی۔ ممتاز مزاح نگار جناب مجتبیٰ حسین نے کہا کہ ملک کی موجودہ نازک ترین صورتِ حال میں ادب اور میڈیا کو اہم رول ادا کرنا ہے۔ قابلِ مبارکباد ہیں میڈیا اور پریس جنھوں نے ملک کے حالات کو عوام کے سامنے پیش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ ادیب کی ذمّے داری ہے کہ وہ اپنے قلم کے ذریعے خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے ملک کی ترقی میں تعاون کرے۔ گجرات میں ہوئی ہولناکیوں نے ادیب کے جذبات و احساسات کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار جناب مجتبیٰ حسین نے "ہندستان کے موجودہ حالات اور ادیب" کے موضوع پر کیا جو بزم احباب جلیس کے زیرِ اہتمام "سیاست" آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ صدارت جناب مصطفےٰ کمال نے کی۔ جناب حسن فرخ نے خیر مقدم کیا۔ جناب مجتبیٰ حسین نے احمد جلیس کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ وہ پیشہ تدریس چھوڑ کر "چھوٹی چھوٹی باتیں" مزاحیہ پروگرام کے ذریعے وہ باتیں کہہ گئے جن کو زمانہ دراز تک یاد کیا جاتا رہے گا۔ پدم شری محترمہ جیلانی بانو نے کہا کہ ادیب

واقعات کی عکاسی کے ذریعے ہونے والی ناانصافیوں پر قلم اٹھا کر عوام کی ڈھارس بند ھوانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ افسانہ نگاروں نے مسائل کے حل میں عوام کے ذہن کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ محترمہ جیلانی بانو اپنے بھائی جناب احمد جلیس کی چھٹی برسی کے موقع پر بول رہی تھیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ محترمہ سارہ شطاری نے نئی نسل کو تلقین کی کہ وہ اپنی ذمے داری کو محسوس کریں اور اردو زبان سے وابستگی کا ثبوت دیں۔ (سیاست، حیدر آباد)

ادیب اور شاعر سیاسی موضوعات کو شجر ممنوعہ نہ سمجھیں

● حیدر آباد، 25/ مئی۔ اردو ادیبوں اور شاعروں کو چاہیے کہ وہ سیاسی موضوعات کو شجر ممنوعہ نہ سمجھیں جبکہ دیگر ہندستانی زبانوں میں آج کا ادیب سیاسی تحریکوں سے جڑا ہوا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز افسانہ و ناول نگار مشرف عالم ذوقی (دہلی) نے حیدر آباد لٹریری فورم (حلف) کے زیرِ اہتمام منعقدہ خصوصی اجلاس میں کیا جو 21/ مئی کی شام جناب علی الدین نوید کی صدارت میں منعقد ہوا۔ انھوں نے کہا کہ آج کا تقاضا موضوعاتی کہانی بھی ہے۔ اردو افسانے میں بے شمار امکانات پوشیدہ ہیں۔ مشاہدہ، مطالعہ اور سیاحت ادیب کے لیے ضروری ہے۔ مشرف عالم نے اپنی تازہ کہانی گجرات کے پس منظر میں "لیباریٹری" کے عنوان سے پیش کی۔ اس کہانی کا تجزیہ کرتے ہوئے رؤف خلش نے کہا کہ اس افسانے میں سماجی، معاشرتی اور عمرانی شعور بلند ہے لیکن افسانے میں اقلیت، اکثریت کے بجائے علاقوں کا استعمال بھی کیا جاسکتا تھا۔ مظہر مہدی نے مشرف کی دوسری کہانیوں کے ساتھ اس کہانی کا تقابل کرتے ہوئے کہا کہ راست بیانی، مصنف کا افسانے میں در آنا، جزئیات نگاری، افسانے کو بیان اور بیان کو افسانہ بنانے کا فن، افسانہ ختم ہوتے ہوئے ایک اور نئی جہت کی طرف افسانے کا سفر ایسی بہت سی تکنیکیں انھوں نے کامیابی سے اپنائی ہیں۔ پروفیسر بیگ احساس نے موجودہ افسانوی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ آج کے فکشن میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس عہد کو فکشن کا دور بھی کہا جارہا ہے۔ مابعد جدیدیت میں قاری افسانے کا حصہ ہوتا ہے۔ قدیر زماں نے کہا کہ اس افسانے میں کئی تکنیکوں کا استعمال ہوا ہے جو مشرف عالم کا وصف ہے۔ ڈاکٹر یوسف کمال نے کہا کہ افسانے میں مستقبلیت کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔ اردو میں ابھی افسانہ حال اور ماضی کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔ ان کا یہ افسانہ آج کا جلتا ہوا موضوع ہے جس میں آورد کا احساس بھی ہوتا ہے۔ علی الدین نوید نے اپنی صدارتی تقریر میں مشرف عالم کے ایک مضمون کے حوالے سے کہا کہ انھوں نے حیدر آباد کے کئی اہم افسانہ نگاروں کا اس مضمون میں ذکر نہیں کیا جبکہ حیدر آباد کے افسانہ نگاروں کا اہم مقام ہے۔ پیش کردہ کہانی میں کفایتِ لفظی، درد مندی اور درد انگیزی کا فقدان ہے اور افسانے میں تمہید بڑی طویل اور گراں محسوس ہوتی ہے۔ مظہر مہدی آرگنائزنگ سکریٹری حلف نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ (منصف، حیدر آباد)

کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی سینٹر ناپلی میں جلسہ تقسیم اسناد

● حیدر آباد، 14/ جناب اے آر سوکمار، کمشنر ٹیکنکل ایجوکیشن حکومت آندھرا پردیش نے آج کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر میں تقسیم اسناد کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے تمام طالبات، فیکلٹی ممبران اور جلیل پاشاہ کی لگن، محنت اور دلچسپی سے کمپیوٹر DLA کورس کی تکمیل پر مبارک باد دی۔ انھوں نے جلیل پاشاہ کی اس خواہش کی ستائش کی کہ سرکاری سطح پر خواتین کے لیے علاحدہ انجینئرنگ کالج ہونا چاہیے۔ انھوں نے ناپلی کیمپس میں ایم بی اے، ایم سی اے کورس شروع کرنے کی کمیٹی کی تجاویز کو غور کرنے اور ڈی سی اے اور پی جی ڈی سی اے کورسوں کو ٹیکنکل ایجوکیشن سے مسلمہ حیثیت دلانے کا تیقن دیا۔ اس موقعے پر جناب محمد جلیل پاشاہ، صدر نشین کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی نے کمشنر سے خواہش کی کہ اس ادارے سے تربیت یافتہ طلبہ کمپیوٹر شعبے میں روزگار سے منسلک کیے جائیں اور خواتین کے لیے اس کیمپس میں علاحدہ ایم بی اے، ایم سی اے اور انجینئرنگ کالج شروع کیے جائیں۔ ڈاکٹر رویندر ناتھم، ڈائرکٹر ایس سی ای آر ٹی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ٹیچرس ٹریننگ کورسوں کو دوبارہ تشکیل دیا جارہا ہے۔ ٹیچرس ٹریننگ کے معیار کو بڑھانے کے لیے ہر طرح کوشش کی جارہی ہے۔ اس نو تشکیل شدہ ٹریننگ سینٹر میں کمپیوٹر کو ایک لازمی جزو بنادیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید علی پی جی کو آرڈینٹر نے کمیٹی کی کارکردگی منصوبوں اور کامیابیوں کے بارے میں بتایا۔ محترمہ فریدہ حسین، سکریٹری آل انڈیا ویمنس کانفرنس نے ڈیمانڈ کی کہ معذورین کے لیے بھی کوئی کورس شروع کیا جائے کیوں کہ ریاست میں معذورین کی آبادی 3 تا 4 فی صد ہے۔ اس موقعے پر جناب رئیس اختر نے مہمانِ خصوصی اور تمام شرکائے جلسہ کا خیر مقدم کیا۔ سشما نے سینٹر میں مہیا کورسوں کے بارے میں بتایا۔ تقسیم اسناد سوکمار صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ آخر میں محترمہ ناہید نے شکریہ ادا کیا۔

(سیاست، حیدر آباد)

کرناٹک اردو اکادمی کا جلسہ تقسیم ایوارڈ

● بنگلور، یکم جون۔ "صدیوں پر محیط تاریخ و تہذیب رکھنے والی

شیریں و لطیف زبان اردو میں ادب، ثقافت اور صحافت کا انمول اثاثہ موجود ہے۔ اس زبان کے تحفظ کی ذمّے داری حکومت کے علاوہ اردو داں طبقے پر بھی عاید ہوتی ہے۔" ان خیالات کا اظہار شریمتی رانی ستیش، وزیر کنڑ اور کلچر حکومتِ کرناٹک نے یکم جون 2002 کو کنڑ ابھون میں کرناٹک اردو اکادمی کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ تقسیم ایوارڈ میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ صرف قلم اور قلمکاروں ہی کے ذریعے سماج اور معاشرے میں تبدیلی ممکن ہے۔

مہمانِ خصوصی جناب صغیر احمد وزیرِ ٹرانسپورٹ حکومت کرناٹک نے ایوارڈ یافتگان کو مبارک باد دیتے ہوئے اردو زبان سے وابستہ افراد و اداروں کی غفلت پر اظہار تاسف کیا اور کہا کہ حکومت کی سہولتوں سے وہ خاطر خواہ استفادہ نہیں کر رہے ہیں۔ انھوں نے کرناٹک اردو اکادمی کی سرگرمیوں پر طمانیت کا اظہار کرتے ہوئے اردو مدارس کی حالتِ زار اور اساتذہ کی غفلت شعاری اور والدین کی دیگر زبانوں سے دلچسپی پر افسوس کا اظہار کیا۔ جناب وہاب عندلیب نے صدارتی خطاب میں کہا کہ اکادمی نے، جہاں تک ایوارڈ کی تقسیم کا تعلق ہے، اپنی جانب سے ممکنہ انصاف کی کوشش کی ہے۔ بزرگ ادیبوں کے ساتھ ایک نوجوان قلمکار کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی بقا ترویج و تحفظ کی ذمّے داری حکومت کے ساتھ ساتھ اس زبان کے بولنے والوں پر بھی ہے۔

جناب متین الدین ندوی کی قرأت کلام پاک اور جناب شوکت علی خیار (رکن اکادمی) کی حمد سے جلسہ تقسیم ایوارڈ کا آغاز ہوا۔ جناب خلیل احمد رجسٹرار اکادمی نے مہمانوں اور سامعین کا خیر مقدم کیا۔ محترمہ جہاں آرا بیگم اور جناب ایس ایم عقیل (اراکینِ اکادمی) نے علی الترتیب محترمہ رانی ستیش اور جناب صغیر احمد کی گل پوشی کی اور میمنٹو پیش کیے۔ اردو اکادمی کی جانب سے شریمتی رانی ستیش اور جناب صغیر احمد نے ایوارڈ یافتگان جناب مظہر امید (نثر)، جناب ساجد حمید (شاعری)، جناب شاہ امیر اللہ نظامی (صحافت) اور جناب مجتبیٰ حسین (زبان و ادب کی مجموعی خدمات) کی شال پوشی کی اور توصیفی سند و میمنٹو پیش کیے۔ جناب منظور احمد صدر مجلس ادب نے مظہر امید، جناب یوسف عارفی نے ساجد حمید، جناب عارف متین نے شاہ امیر اللہ نظامی اور جناب فہیم پیرزادہ نے مجتبیٰ حسین پر خاکے پیش کیے۔ تمام ایوارڈ یافتگان نے اظہار خیال کرتے ہوئے اکادمی نے شکریہ ادا کیا۔ جناب مجتبیٰ حسین نے سامعین کی فرمائش پر اپنا مضمون "صاحب باتھ روم میں ہیں" سنا کر داد و تحسین حاصل کی۔ آخر میں رکن اکادمی محترمہ حنا رحمی نے شکریہ ادا کیا۔ جناب ظفر محی الدین نے نظامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیے۔ (ڈاک سے)

دہلی اردو اکادمی کا جلسہ تعزیت

● نئی دہلی، 24/ مئی، اردو اکادمی، دہلی کی جانب سے ممتاز ترقی پسند شاعر جناب کیفی اعظمی اور اردو زبان و ادب کے بے لوث اور سچے خادم جناب عبداللطیف اعظمی کی یاد میں 23/ مئی کو ایک تعزیتی جلسے کا انعقاد کیا گیا، جس میں نامور ادبا و شعرا نے دونوں کے فکر و فن کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

پروفیسر قمر رئیس نے کہا کہ کیفی صاحب ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، ان کی مقبولیت کی وجہ ان کی شاعری ہی نہیں تھی بلکہ برائیوں کے خلاف اُن میں جو بغاوت کا جذبہ تھا اور حق بات کہنے کا جو حوصلہ تھا اس نے ان کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔ اُن کی شاعری میں جذبے اور احساس کا ایسا والہانہ پن تھا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ انھوں نے عبداللطیف اعظمی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم جامعہ کی اقدار، آدرشوں اور اصولوں کا مجموعہ تھے۔ پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ عبداللطیف اعظمی جامعہ ملیہ کی روایتوں کے سچے عاشق تھے۔ جامعہ ملیہ اور رسالہ جامعہ سے انھیں بے پناہ لگاؤ تھا۔ کیفی صاحب کے بارے میں انھوں نے کہا کہ فرقہ واریت اور انسانی اقدار کی پامالی پر ان کے اشعار ہمیں جھنجھوڑتے ہیں۔ ان کی زبان سے نثر ادا ہو یا نظم ہم اُس کے سحر میں کھو جاتے تھے۔ جناب کمال احمد صدیقی نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان دونوں شخصیات میں اگرچہ بعد مشرقین تھا لیکن دونوں ہی اپنے کاموں کے لیے بڑے سنجیدہ اور سچے تھے۔ جناب مخمور سعیدی نے کہا کہ کیفی صاحب کی شاعری کا آغاز ترقی پسند تحریک کے ساتھ ہوا۔ ان کی شاعری میں جذبات کی فراوانی تھی اسی لیے ان کی شاعری کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ کیفی صاحب نے اُس نظام کو منتشر ہوتے دیکھا جس کے ساتھ انھوں نے زندگی گزاری، لیکن وہ اس سے نہ کبھی دل برداشتہ ہوئے نہ دست بردار ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ کیفی نے فلمی شاعری کو بھی ایک ادبی رنگ و آہنگ دینے کی کوشش کی اور کبھی اپنی سطح سے نیچے نہیں اترے۔ ان کی شاعرانہ حیثیت کا ابھی تک تنقیدی سطح پر مکمل اعتراف نہیں ہوا ہے۔ یہ ہم پر ان کا قرض ہے جو ہمارے بڑے اداروں کو ادا کرنا چاہیے۔ ان کی خوبصورت یادیں بہت دور تک اور دیر تک ہمارے ساتھ رہیں گی۔ عبداللطیف اعظمی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مرحوم کو جامعہ ملیہ سے بڑی عقیدت تھی اور اُن کی اس سے وابستگی مثالی تھی۔

عبداللطیف اعظمی کے قریبی دوست پروفیسر عبداللہ ولی بخش قادری

نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ عبداللطیف اعظمی سچائی تلاش کرنے اور صحیح بات سامنے لانے کی حتی المقدور کوشش کرتے تھے لکھنا اور بحث کرنا ان کے مشاغل تھے، ان کا جو بھی علمی و ادبی کام ہے وہ تحقیق کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے عبداللطیف اعظمی صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اعلیٰ پائے کے ادیب، صحافی اور محقق تھے۔ ان میں احترام آدمیت اور مقصد کی سچی لگن تھی۔ جناب ابوالفیض سحر نے کہا کہ ہماری محفلیں اب پروانوں سے خالی ہوتی جارہی ہیں۔ کیفی صاحب کے بارے میں انھوں نے کہا کہ انھوں نے سچے فن کار اور سچے انسان کی طرح اپنی زندگی گزاری، ان کے قول و فعل میں کبھی تضاد نظر نہیں آیا۔ پروفیسر عبدالحق نے کہا کہ عبداللطیف اعظمی اور کیفی اعظمی دونوں کا تعلق ایسے خطے سے تھا جہاں کا ہر ذرّہ وزیر اعظم ہوتا ہے۔ وہ اسی علمی فضا میں پید ہوئے اور پروان چڑھے اور اس کا اثر ان دونوں کی زندگیوں پر آخر وقت تک رہا۔ ڈاکٹر علی جاوید نے کہا کہ کیفی صاحب کے قول و فعل میں توازن تھا، وہ محنت کش عوام کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلے اور انسانی اقدار کی پاسبانی کے لیے ہمیشہ لڑتے رہے۔ جناب عبداللطیف اعظمی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر شمس الحق عثمانی نے کہا کہ مرحوم میں بردباری اور بذلہ سنجی کا جو امتزاج تھا وہ میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔ انھوں نے نہ جانے کتنے ایسے کام کیے جن میں نمود و نمائش کی پروا نہیں کی۔ ڈاکٹر وہاج الدین علوی نے عبداللطیف اعظمی کو ایسا محقق بتایا جس نے صداقت کی تلاش میں اپنی زندگی صرف کردی۔

آخر میں اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ دونوں شخصیات کے کارہائے نمایاں قابل قدر ہیں۔ کیفی نے وہی شاعری کی جو ان کی آنکھوں نے دیکھا اور قلب نے محسوس کیا۔ شخصیت اور شاعری میں ایسا توازن کہ دونوں میں فصل نظر نہ آئے شخصیت اور شاعری کا کمال ہے۔ انھوں نے عبداللطیف اعظمی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کا مزاج تحقیقی تھا۔ وہ اس سنگلاخ میدان میں کبھی تھکن محسوس نہیں کرتے تھے۔

جلسے کی نظامت کرتے ہوئے جناب انیس اعظمی نے دونوں مرحومین میں مماثلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا یہ دونوں ایک خطے میں تقریباً ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بھی ایک ہی طرح کی حاصل کی اور وفات بھی ایک دن کے آگے پیچھے ہوئی۔ جلسے کے آغاز میں جناب متین امروہوی نے مرحومین کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ (ڈاک سے)

مغربی بنگال اُردو اکادمی کی نئی جنرل کونسل اور گورننگ باڈی

● کلکتہ، 28 / مئی۔ حکومت مغربی بنگال نے اپنے نوٹی فیکیشن 16 / مئی 2002 کے ذریعے مغربی بنگال اردو اکادمی کی نئی جنرل کونسل اور اُس کی گورننگ باڈی تشکیل دی ہے۔ یہ نامزدگیاں تین سال کے لیے ہیں۔ مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی کو چیئرمین اور جناب قیصر شمیم کو وائس چیئرمین بنایا گیا ہے۔ اکاڈمی کے آئین کے مطابق چیئرمین، ریاست کا وزیر اعلیٰ یا اُس کا نمائندہ ہوتا ہے۔

دیگر اراکین میں مغربی بنگال اسمبلی کے دو نمائندے، پارلیمنٹ کا ایک نمائندہ، کلکتہ یونی ورسٹی کے نمائندے حکومت مغربی بنگال کے تین نمائندے، کلکتہ کارپوریشن محکمۂ تعلیم سے ایک نمائندہ، چار نمائندے ان تعلیمی اداروں سے جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے، مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ایک نمائندہ، اور اضلاع سے چار اردو نمائندے جنرل کونسل میں شامل ہیں۔

گورننگ باڈی (19 / رکنی مجلسِ عاملہ) میں درج ذیل لوگ شامل ہیں: رئیس احمد جعفری، ابو نصر غزالی، شمیم انور، سعید پریمی، شہباز نبی، اوم پرکاش بھابیہ، فیروز عابد، ریوتی لال شاہ، عبدالستار شاہدی، خلیل عباس صدیقی، مصطفےٰ اکبر، منور رانا، شمیم انور خاں، ارشد علی، خواجہ نسیم اختر، کہکشاں فرحت، منصور احمد ملک (مزید دو ممبر سکریٹری مالیات اور اقلیتی امور نیز سکریٹری اور ڈپٹی سکریٹری اکادمی۔ ایکس آفیشو ممبران)۔

(آزاد ہند، کلکتہ)

ہریانہ میں فروغ اردو تحقیقی کمیٹی

● چنڈی گڑھ، 22 / مئی۔ حکومت ہریانہ نے "اردو کے فروغ میں ہریانہ کا حصہ" کے موضوع پر بالتفصیل تحقیق کرانے کے لیے ایک کمیٹی نامزد کی ہے۔ ریاستی وزیر تعلیم بہادر سنگھ کی صدارت میں قائم اس کمیٹی میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری خلیق انجم، نامور شاعر ڈاکٹر نریش اور کرد کشیتر مہارشی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر شامل ہیں۔ کمیٹی ہریانہ میں اردو کی شاندار ثقافتی روایات کو محفوظ رکھنے کے اقدامات بھی تجویز کرے گی۔ وزیر اعلیٰ اوم پرکاش چوٹالہ کی صدارت میں ہریانہ اردو اکادمی کی جنرل باڈی کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا۔ وہ اکادمی کے چیئرمین بھی ہیں۔ چوٹالہ نے کہا کہ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ اردو کو اس کی شاندار ثقافتی روایات کے بجائے صرف اسلام سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اکادمی کو ہدایت دی کہ

وہ اردو زبان و ادب کے فروغ کو یقینی بنانے کے لیے ضروری اقدامات کرے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ ریاست میں اردو کے فروغ کے لیے وسائل کی کمی کو آڑے نہیں آنے دیا جائے گا۔ ایجوکیشن کمشنر اور سکریٹری پی کے چودھری نے 15 سال کے وقفے کے بعد جنرل باڈی کی میٹنگ منعقد کرانے کے لیے وزیر اعلیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ (روزنامہ ندیم، بھوپال)

اردو تعلیم کی ترویج کے لیے نمائندگی کا فیصلہ

● جالنہ۔ مہاراشٹر راجیہ اردو شکشک سنگھٹنا کی سالانہ ریاستی سطح کی نشست بصدارت شیخ فیاض الدین اور محمد عبدالغفار ریاستی جنرل سکریٹری کی موجودگی میں بمقام نگر پریشد ریسٹ ہاؤس میں منعقد کی گئی۔ اس نشست میں ریاست میں اردو مدارس اور مدرسین و طلبہ کے لیے حکومت کی جانب سے مختلف اسکیمات کا فائدہ اٹھانے اردو کی تعلیم و ترقی کے لیے بحث و مباحثے کے بعد مسائل کی یکسوئی کے لیے حکومت سے جدو جہد کر کے مختلف نکات طے کیے گئے اور مطالبہ کیا گیا کہ مرہٹواڑہ میں وو ربھ پیٹرن کو منظوری دے کر اردو پرائمری مدارس کو علاحدہ اسکول کا درجہ دیا جائے، اردو مدارس میں کام کرنے والے مراٹھی میڈیم کے مدرسین کا تبادلہ مراٹھی مدارس میں کر کے ان جگہوں پر اردو میڈیم کے مدرسین کا تقرر کیا جائے، اردو سے ایک اے ڈی ای آئی کا تقرر کریں اور ہر ضلع میں کم از کم تین ناظر تعلیمات کی جگہ پُر کی جائے۔ جس گاؤں میں اقلیتی فرقے کی تعداد زیادہ ہو اس گاؤں میں اردو پرائمری اسکول کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اردو مدارس کے ہائی اسکول کی مخلوعہ اسامیوں پر جلد از جلد تقرر کر کے طلبہ کو ہونے والے تعلیمی نقصان سے روکا جائے۔ ریاستِ مہاراشٹر کے علاقائی صوبوں میں کم از کم ایک اردو میڈیم کا ڈائٹ سینٹر قائم کیا جائے۔ اس نشست میں ریاست مہاراشٹر سے کم بیش اٹھارہ اضلاع سے تنظیم کے ضلع صدور و معتمد ذمے داران نے شرکت کی۔ (اردو ایکشن، بھوپال)

اردو اسکولوں میں داخلے کے لیے اساتذہ کی مہم

● بنگلور، 17 رمئی۔ بنگلور نارتھ ضلع کے اردو اساتذہ نے کرناٹک اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن (کراٹا) کی اپیل پر آج اپنے متعلقہ محلہ جات میں ایس ڈی ایم سی صدر، و اراکین کے ہمراہ گشت کرتے ہوئے گھر گھر جا کر والدین کو ترغیب دلائی کہ اپنے بچوں کو زیورِ علم سے آراستہ کریں اور گورنمنٹ اردو اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخلہ دلائیں۔ موسم گرما کی چھٹیوں کے باوجود اردو اساتذہ کا یہ اقدام اور داخلاتی مہم یقیناً فالِ نیک اور قابلِ تقلید عمل ہے۔ مسلم آبادی والے محلوں میں آج اساتذہ کی طرف سے داخلاتی مہم کا آغاز ہوا۔ اساتذہ کے ساتھ داخلاتی مہم میں گشت کرنے والوں میں ڈی جے ہلی کے محمد الیاس، عبدالرشید، دتکلیش پور کے آر چھوٹو قریشی، گاندھی نگر کے محمد آصف، کے جی ہلی کے باشاہ صاحب، بیال کے عبدالبشیر، کوگل لے آؤٹ کے محمد نورالدین، این ایس لین کے عبدالسبحان قابلِ ذکر ہیں۔ کراٹا کے عہدیداروں نے اپیل کی ہے کہ کرناٹک کے دیگر اضلاع میں بھی ایسی مہم چلائی جائے تاکہ تحریکِ تعلیم عام کی کامیابی یقینی ہو جائے اور 6 تا 14 سال کے تمام بچوں کو لازمی طور پر تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم ہو۔ کراٹا نے ائمہ حضرات سے بھی اپیل کی ہے کہ جمعہ کے خطاب میں مسلمانوں کو ترغیب دلائیں کہ اپنے بچوں کو اردو مدارس میں داخلہ دلائیں۔ (سالار، بنگلور)

اردو اکیڈمی جدہ کا خصوصی اجلاس

● جدہ، یکم جون۔ اردو اکیڈمی جدہ کے خصوصی اجلاس میں اکیڈمی کی کارکردگی کا جائزہ لے کر مستقبل کے لیے ایک جامع اور مبسوط لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور اس عزم کی تجدید کی گئی کہ نئی نسل کا اردو سے رشتہ باقی و برقرار رکھنے کے لیے جہاں جہاں ممکن ہو تمام ضروری اقدامات کیے جائیں۔ جنرل سکریٹری اردو اکیڈمی سلیم فاروقی نے عروس بحر احمر جدہ میں اس تنظیم کے قیام کے اغراض و مقاصد سے شرکائے اجلاس کو روشناس کراتے ہوئے تمام محبانِ اردو سے تعاون کی پرخلوص اپیل کی۔

نائب صدر نعیم اللہ شریف نے اکیڈمی کی جانب سے اب تک کیے گئے کام اور کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کاموں کی نشاندہی کی جو سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کیے جانے چاہئیں۔

شریک معتمد سید جمال قادری نے جدہ میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی (حیدر آباد) کے فاصلاتی مطالعہ مرکز کے قیام کی منظوری پر یونی ورسٹی کے وائس چانسلر شمیم جے راجپوری کا شکریہ ادا کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

بہار میں مضبوط اور مسلسل اردو تحریک کی ضرورت

● پٹنہ، 30 مئی۔ اردو کونسل بہار و جھارکھنڈ کی ایک اہم نشست سابق وزیر حکومتِ بہار و کانگریسی رہنما جناب شمائل نبی کی صدارت میں کونسل کے دفتر دارالغیاث، سبزی باغ پٹنہ، میں منعقد ہوئی جس میں اردو کونسل کے کنوینر ڈاکٹر اسلم جاوداں نے کونسل کی کارکردگی کا خلاصہ پیش کیا اور سرکاری و عوامی سطح پر اردو کی صورت حال پر تشویش کا اظہار کرتے

ہوئے ایک مضبوط اور مسلسل اردو تحریک کی ضرورت پر زور دیا۔ کونسل کی خصوصی کمیٹی کے رکن سید صدر الزماں نے پچھلی نشست میں کیے گئے فیصلوں پر عمل درآمد کی صورتِ حال پر روشنی ڈالی اور فوری طور پر پٹنہ دوردرشن مرکز سے اردو نیوز بلیٹن کا وقفہ مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق 10 منٹ سے بڑھا کر 15 منٹ کرنے کے لیے ڈائریکٹر دوردرشن پٹنہ سے پھر ایک بار ملاقات کرنے کی تجویز پیش کی جسے اتفاق رائے سے منظور کرلیا گیا۔ باری اعظمی نے مقامی اردو اسکولوں میں اردو کی طرف سے بے اعتنائی پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسکولوں کے ذمے داروں سے کونسل کے ایک وفد کی ملاقات کی تجویز رکھی اور اسے بھی منظوری دی گئی۔ نوجوان صحافی سراج انور نے مقامی اقلیتی اداروں کی صحیح صورتِ حال کا پتہ لگا کر عوام کو اس سے باخبر کرنے کا مشورہ دیا اور اپنی جانب سے کونسل کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ جناب شمائل نبی نے محکمہ تعلقاتِ عامہ میں اردو کی طرف سے کی جانے والی لاپروائی پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ تمام ضلعوں میں اس محکمے میں اردو عملے کا ہونا لازمی ہے، خاص طور سے جبکہ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو ہے اردو کی طرف سے اعتنائی کرنا سخت قابلِ اعتراض ہے۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

ارریہ میں تعلیمی انعامی مقابلہ اور کانفرنس

●ارریہ۔ تعلیم، خوشحالی اور ترقی کا بنیادی ستون ہے۔ تعلیم کے بغیر نہ کوئی فرد آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی صحت مند معاشرہ جنم لے سکتا ہے۔ کسی بھی قوم میں تعلیمی شعور کا بیدار ہونا اس قوم کے اعلیٰ شعور کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔ ان خیالات کا اظہار مولانا محمد ہاشم القاسمی مدیر الفیصل حیدرآباد نے آزاد اکیڈمی ارریہ (بہار) میں منعقدہ تعلیمی بیداری کانفرنس کے خطبہ افتتاحیہ میں کیا۔ سیمانچل کے اس علاقے میں مسلمان غربت و جہالت کے شکار ہیں۔ ان میں تعلیمی بیداری لانے کی غرض سے "تعلیمی بیداری تحریک" کے تحت ارریہ میں ایک روزہ تعلیمی مقابلہ اور تعلیمی کانفرنس 7ر اپریل 2002 کو منعقد کی گئی۔ تعلیمی مقابلے کے عنوانات اس طرح تھے: "قرآن حکیم اور ہماری زندگی"، "مسلم معاشرے کی تعلیمی پسماندگی۔ اسباب و علاج"، "اسلام میں معاشی بدحالی کے انسداد کی تدابیر"، "عورتوں کی ناخواندگی قابلِ فخر یا باعثِ شرم"۔

طلبہ اور طالبات کی بڑی تعداد نے ان مباحث میں حصہ لیا اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر و جستجو میں کوشاں نظر آئے۔ تعلیمی مقابلے کی زبان اردو، انگریزی اور عربی تھی۔ مقابلے کے تمام شریک طلبہ و طالبات کو انعامات اور توصیفی سرٹیفکیٹ تقسیم کیے گئے۔ تعلیمی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا اسرار الحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی و ملی فاؤنڈیشن دہلی نے کہا کہ مسلمانانِ عالم موجودہ حالات میں جن اندوہناک مسائل سے دوچار ہیں ان کی بڑی وجہ تعلیم سے دوری ہے۔ اگر وہ تعلیم کے میدان میں اتر پڑیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اقوام عالم کے درمیان سربلند نہ رہیں۔ مولانا خالد ندوی استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ نے کہا کہ تعلیم مسلمانوں کی میراث ہے۔ سیرت نبویؐ میں حصول علم کو بلند درجہ حاصل ہے اور مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر بصیر احمد خاں پروفیسر اسلامیات ہمدرد یونی ورسٹی نے کہا کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مسلمانوں میں تعلیمی شعور بیدار کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی نے مسلمانوں کو پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف توجہ دینے کی ضرورت کا اظہار کیا۔ مولانا محمد قاسم شیخ الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ، پروفیسر دانش پورنیہ کالج پورنیہ، جناب محمد محسن ہیڈ ماسٹر گکروا اسکول ارریہ اور دوسرے مقررین نے "سیرت بحیثیت تعلیمی تحریک" کے مرکزی موضوع پر اظہار خیال کیا اور مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کی تحریک چلانے والوں بالخصوص مولانا محمد ہاشم القاسمی کی تحسین فرمائی۔

(ڈاک سے)

ویشالی میں تحریری و تقریری مقابلے

●حاجی پور، 13 مئی۔ انجمن ترقی اردو، ویشالی کے زیر اہتمام گذشتہ 12 مئی کو میٹرک اور انٹرمیڈیٹ درجے کے طلبہ و طالبات کے درمیان تحریری و تقریری مقابلوں کا انعقاد بمقام انجمن فلاح المسلمین حاجی پور کے وسیع ہال میں اختتام پذیر ہوا۔ مقابلے میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو مولانا شکیل احمد قاسمی، پٹنہ کے ہاتھوں "سید فصیح الدین احمد ایوارڈ" سے نوازا گیا۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب عبدالمنان سکنڈ افسر حاجی پور نے بھی خطاب کیا۔

انعامی جلسے کی صدارت فرماتے ہوئے حضرت مولانا امین احمد خاں چترویدی نئی نسل کو اسلامیات سے بھی دلچسپی پیدا کرانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ضلع راشٹریہ جنتادل کے نائب صدر الحاج محمد حنیف، اصلاحِ ملت کمیٹی کے جنرل سکریٹری ماسٹر محمد عظیم الدین انصاری اور جمعیت شباب اسلام بہار کے جنرل سکریٹری مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر مقابلے میں کامیاب ہونے والے طلبہ مناظر حسن آزادؔ، مظاہر حسن اقبالؔ، لطیف احمد خاں، محمد نعمت آزاد، نیر اعظم، حسن احمد اور غلام سرور کو

کتابوں اور توصیفی سند سے نوازا گیا۔ جلسے کی نظامت انجمن کے صدر ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے کی اور شکریہ انجمن کے سکریٹری سید مصباح الدین احمد نے ادا کیا۔ (ڈاک سے)

محکمۂ السنہ، دلی سرکار کی جانب سے اردو انعامات

● نئی دہلی، محکمۂ السنہ، دلی سرکار کے اردو سیل کی جانب سے سرکاری محکموں / دفاتر میں اردو زبان کے فروغ و اشاعت اور لازمی حد تک اردو میں دفتری امور کی انجام دہی کے لیے سرکاری افسران / عملوں کو اردو زبان لکھنا پڑھنا سکھانے کے مقصد سے سال 2001 کے دوران منعقدہ اردو سرٹیفکیٹ کورس، اردو ورک شاپ / ریفریشر کورس اور اردو مضمون نویسی و خوش نویسی مقابلے میں کامیاب سرکاری افسران / عملوں کو نقد انعامات مومنٹو، سرٹیفکیٹ اور کتابیں وغیرہ تقسیم کرنے کے لیے بتاریخ 30/اپریل 2002 کو دتی ودھان سبھا احاطہ اولڈ سکریٹریٹ میں واقع وزیر اعلیٰ کمیٹی روم میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب میں چالیس سرکاری افسران / عملوں کو دلی سرکار کی سکریٹری آرٹ، کلچر اور زبان کے ہاتھوں انعامات و اسناد تقسیم کی گئیں۔ تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے دلی سرکار کے اردو افسر اشفاق احمد عارفی نے تمام شرکا کا استقبال کیا اور محکمے کی جانب سے اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے چلائی جا رہی اسکیموں کی تفصیل پیش کی۔ (ڈاک سے)

تعمیر ملت جونیر ہائی اسکول کا سالانہ جلسہ

● علی گڑھ، 28/مئی۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نسیم احمد نے کہا ہے کہ ہماری ترقی اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم اپنی مادری زبان سیکھیں۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ بڑی تعداد میں تعلیمی ادارے قائم کریں۔

وائس چانسلر تعمیر ملت جونیئر ہائی اسکول کے سالانہ جلسے کو خطاب کر رہے تھے جس کی صدارت مسلم یونی ورسٹی کے پروکٹر پروفیسر نفیس احمد نے کی اور نظامت کے فرائض سلمان بیگ نے انجام دیے۔

اس سے قبل اسکول سوسائٹی کے قائد ڈاکٹر شاہ اللہ خاں نے وائس چانسلر کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ بغیر تعلیم کے کوئی بھی سماج ترقی نہیں کر سکتا انھوں نے بتایا کہ آج لڑکوں کے مقابلے لڑکیاں زیادہ مہذب اور شائستہ ہیں۔ والدین کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلائیں۔ انھوں نے ریاضی اور سائنس کی تعلیم دیے جانے پر خاص زور دیا اور کہا کہ انگریزی زبان سیکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ مادری زبان کو سیکھا جائے۔

(قومی آواز دہلی)

لکھنؤ سے اردو اخبار کا اجرا دیوناگری میں

● لکھنؤ، 29/مئی۔ آج یہاں اردو روزنامہ "اپنا اخبار" کی اشاعت ہو گئی جس کا رسم تحریر دیوناگری ہے آج شام یہاں منعقدہ ایک تقریب میں پی آئی سی یو پی کے چیئرمین اے پی ورما نے اخبار کا اجرا کیا۔ انڈین فیڈریشن آف ورکنگ جرنلسٹس کے صدر کے وکرم راؤ مہمانِ خصوصی تھے۔ ڈاکٹر خواجہ سید محمد یونس اس اخبار کے چیف ایڈیٹر اور مسٹر خورشید کامل قدوائی اس کے ایڈیٹر ہیں۔ (قومی آواز دہلی)

چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی میں شعبۂ اردو کا قیام

● میرٹھ، 26/جون۔ چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ میں شعبۂ اردو کا قیام عمل میں آگیا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے شعبۂ اردو کے قیام کا مطالبہ کیا جا رہا تھا لیکن موجودہ شیخ الجامعہ پروفیسر رمیش چندرا کی کوششوں اور اتر پردیش کے گورنر جناب وشنو کانت شاستری کے تعاون سے شعبۂ اردو کا قیام عمل میں آیا اور ڈاکٹر اسلم جمشید پوری نے صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے اپنا چارج سنبھال لیا ہے اس سال سے ایم اے اردو کی کلاسیں شروع ہو جائیں گی۔ (ڈاک سے)

حیدر آباد میں شنکر جی یادگار مشاعرہ

● حیدر آباد، 11/مئی۔ اردو صرف ایک زبان کا نام نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام ہے اور اردو کی اس تہذیب کے تحفظ اور اس کو عام کرتے ہوئے ملک میں موجودہ نفرت کی فضا کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ حیدر آباد میں اردو کے حوالے سے جو روایتیں قائم ہیں انھیں باہر سے آنے والا ہر شخص دیکھ کر رشک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جسٹس بلال نازکی جج ریاستی ہائیکورٹ نے آج رات شنکر جی میموریل سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقدہ 27ویں شنکر جی یادگار مشاعرے میں بحیثیت مہمانِ خصوصی خطاب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔ نمائش میدان پر منعقدہ یہ مشاعرہ انتہائی کامیاب ثابت ہوا جس میں ہزاروں کی تعداد میں پرستارانِ شعر و سخن نے شرکت کی۔ جسٹس بلال نازکی نے مشاعرے کی صدارت کی۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے نواب شاہ عالم خاں، جناب زاہد علی خان ایڈیٹر روزنامہ "سیاست"، جناب محمد سلیم صدر نشین ریاستی وقف بورڈ اور جناب ایس ایس کھوسلہ سابق چیف کمشنر کسٹمز و سنٹرل اکسائز نے شرکت کی۔ صدر شنکر جی میموریل سوسائٹی و سابق وزیر مال جناب پی نرسا ریڈی نے خیر مقدم کیا۔ اس مشاعرے کی خصوصیت یہ رہی کہ سامعین میں سے یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ اس مشاعرے کی آمدنی کا

کچھ حصہ گجرات ریلیف فنڈ میں دیا جائے تاکہ وہاں کے مظلوموں کی مدد ہوسکے۔ اس خواہش کے اظہار کے بعد جناب زاہد علی خاں نے روزنامہ سیاست کی جانب سے گجرات ریلیف فنڈ میں ایک لاکھ روپے کے گرانقدر عطیے کا اعلان کیا۔ (سیاست، حیدر آباد)

مختصرات

● جودھپور۔ مشہور شاعر اور نقاد شین کاف نظام نے کہا کہ رمزی اٹاوی کی نظمیں شام کے وقت بہتی ہوئی گنگا کی طرح ہیں جس میں ستارے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ معروف نقاد شمس الرحمان فاروقی کا ماننا ہے کہ شاعر کے کلام میں روانی ہونا چاہیے، رمزی اس پیمانے پر کھرے اترتے ہیں۔ وہ ادبی تنظیم امکان ادب کے زیر اہتمام رمزی اٹاوی کی شخصیت اور شاعری پر اظہار خیال کر رہے تھے جن کا 15/اپریل کو 92ویں برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ مقامی سوچنا کیندر میں منعقد تعزیتی میٹنگ میں رمزی صاحب کی ادبی خدمات کو یاد کیا گیا۔

انھوں نے کہا رمزی صاحب کا بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے دین اور فلسفے میں فنی گرہ لگائی جسے سماج آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ ہمارے زمانے میں شاعر ہونا بڑی بات نہیں، لیکن رمزی صاحب مفکر شاعر تھے، مفکر شاعر ہونا بڑی بات ہے۔

اقبال کیف نے رمزی صاحب پر مضمون پڑھا۔ ایم آئی ظاہر نے اُن کی نظم "سیر ماضی" اشراق الاسلام ماہر نے ایک غزل اور چند اشعار پیش کیے۔ بزم کے کنوینر محمد افضل جودھپوری نے ان کی غزل اور سرفراز شاکر نے بطور خراج عقیدت قطعہ پیش کیا۔ راجستھان اردو اکیڈمی کے وائس چیئر مین اے ڈی راہی، شہر خطیب قاضی محمد ایوب انصاری اور سابق وزیر اعلیٰ برکت اللہ خاں کے چھوٹے بھائی جناب لیاقت اللہ خاں نے بھی ان کی شاعری پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا۔ پروگرام کی نظامت شین میم حنیف نے کی۔ اس موقع پر ظفر پاشا اور رئیس احمد رئیس نے رمزی صاحب کی نایاب تصویروں اور ان کے اشعار کی ایک نمائش لگائی۔

(ڈاک سے)

● تاج پور۔ ملک کے کئی خطوں بالخصوص گجرات میں ہونے والے المیے کے مدنظر تاج پور ضلع سستی پور میں قومی یکجہتی پر ایک سمینار، مشاعرہ اور کوی سمیلن منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام کے منتظمین کسی سیاسی و ادبی تنظیم سے منسلک نہیں تھے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر تاج پور کے مختلف فرقوں کے روشن خیال، انسان دوست لوگوں نے از خود پہل کر کے ایک شام امن و امان کے نام وقف کی اور ہزاروں سامعین کے دلوں میں انسان دوستی و بھائی چارے کا جذبہ بیدار کر دیا۔

مذکورہ پروگرام کی صدارت فرمائی جناب عمران احمد عرف مستان بھائی نے اور افتتاح کیا مولانا مطیع الرحمٰن چترویدی نے۔ انھوں نے تلاوت کلام پاک کے بعد، قرآن، وید، اُپنشد، گرو گرنتھ، بائبل جیسے دھرم گرنتھوں کا حوالہ دے کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ تمام مذاہب کی بنیاد وحدانیت، عدم تشدد، اور انسان کی دلجوئی کرنا ہے۔ اور یہ دنیا دارالعمل ہے اور یہاں کے کاموں کے عوض یا بدلے کی جگہ مرنے کے بعد کی زندگی ہے۔

شری دیو چندر ٹھاکر نے وید پاٹھ کر کے اس کے مول منتر کا مفہوم پیش کرتے ہوئے کہا کہ وید میں انسان دوستی، بھائی چارے اور امن و آشتی کے بے شمار تذکرے موجود ہیں۔ اسی طرح سردار منوہر سنگھ جی نے گرو گرنتھ پاٹھ کرنے کے بعد گرو گوبند جی کی امر وانی کے توسط سے دل سے دل کو جوڑنے اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے امن و امان کی باتیں کہیں۔ بودھ دھرم اور اہنسا کو اپنا موضوع بنایا شری اشوک کمار ملک نے، اور دیر تک بودھ دھرم کی روشنی میں رحم، بھائی چارے اور انسانیت کی باتیں کرتے ہوئے تمام ذی روح سے ہمدردی و رحم کی بات کہی۔

خصوصی مقررین میں شامل ڈاکٹر ہری شنکر مشر نے اپنے تحریری مکتوب میں تخریب کاروں اور انسان دشمن عناصر کو متنبہ کیا کہ اس طرح تیرے پاؤں تلے کی زمین بھی جاتی رہے گی۔ پروگرام کے دوسرے ادوار میں مشاعرہ اور کوی سمیلن ہوا جس میں نہ صرف اردو ہندی کے شعرا نے اپنی تخلیقات سے نوازا بلکہ علاقائی زبان میتھلی اور بولی بجکا میں بھی امن پسند اور ترقی کے دلدادہ کویوں نے اپنی رچناؤں سے سامعین کرام کا دل جیت لیا۔

(ڈاک سے)

● ضلع کڈپہ چنور منڈل کے منڈل پریشد اُردو العصری اسکول منڈلا پلی میں بروز پیر صبح 10 بجے سرسید احمد خاں کی برسی منائی گئی اور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ جلسے کی صدارت جناب سید شکیل احمد شکیل ڈسٹرکٹ ریسورس پرسن (اردو) کڈپہ نے کی اور کہا کہ سرسید احمد خاں نے تعلیمی، سماجی، ادبی اور سیاسی ہر اعتبار سے قوم کی رہنمائی کی اور ملک کی تعمیر میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ وہ ایک مصلح تھے جنھوں نے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی قوم کو علم کی روشنی بخشی، تعصب، جمود، اوہام اور جہالت کے اندھیروں کو دور کیا۔

اس موقعے پر صدر مدرس شیخ حبیب اللہ صاحب، اولیاء طلبہ ایجوکیشن کمیٹی کے صدر جناب چاحسین صاحب اور اسکول کے دو معیاد المعلم جناب امیر اللہ صاحب نے بھی خطاب کیا۔ بعد ازیں طلبہ و طالبات میں تحریری مقابلوں میں اوّل، دوم اور سوم آنے والوں کو انعامات سے نوازا گیا۔

(ڈاک سے)

● میرٹھ، 14 رمئی۔ سیلہ لوچندی کے دربار ہال میں منعقد اردو کانفرنس میں کئی اسکولوں کے بچوں نے نظم وضبط، تقریر اور نعت خوانی کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر میرٹھ ڈویژن کے کمشنر دیپک سنگھل نے کہا کہ آج اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ معاشرے میں لوگوں کے درمیان کس طرح رشتے مضبوط بنائے جاسکیں۔ اردو کی ترقی کے لیے انھوں نے کہا کہ اردو کو روزگار سے جوڑنے کی آج بہت ضرورت ہے۔

تقریب میں نائب شہر قاضی زین الراشدین نے ایک میمورنڈم بھی پڑھ کر سنایا جس میں گجرال کمیٹی کی رپورٹ نافذ کرنے، صوبے میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیے جانے اور پبلک اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے نظم کا مطالبہ کیا گیا۔ پروگرام کی نظامت کانفرنس کے کنوینر سید اظہر علی نے کی۔ نعت خوانی مقابلے میں سرسید پبلک اسکول کے معروف پہلے نمبر پر، حضرت عمر پبلک اسکول کی زینب پروین دوسرے اور نیو مون لائٹ پبلک اسکول کے محمد فیضان تیسرے نمبر پر رہے۔ نظم وضبط میں مدر ٹریسا پبلک اسکول اوّل، دہلی پبلک اسکول دوئم اور سٹی بیسک اسکول تیسرے نمبر پر رہا۔ تقریر میں مدر ٹریسا پبلک اسکول اوّل، سرسید پبلک اسکول دوئم اور سن گلوب پبلک اسکول تیسرے نمبر پر رہا۔ مقابلوں میں کل سترہ پبلک اسکولوں کے بچوں نے حصہ لیا تھا۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

● مظفرپور، 12 رمئی۔ دوردرشن کیندر مظفرپور کے زیرِ اہتمام ایک کل ہند گنگا جمنی مشاعرہ انعقاد پذیر ہوا۔ جناب اے آر خان اور جناب آر ایس ترپاٹھی کی استقبالیہ تقاریر کے بعد تقریباً بیس ہندی اور اردو کے شعرا نے اپنے بہترین کلام سے سرفراز کیا۔ کچھ شعرا کے نام حسب ذیل ہیں: پدم شری بیکل اتساہی، پروفیسر منظور ہاشمی، زبیر رضوی، دلکش آفریدی، حبیب ہاشمی، ظفر حمیدی، سلطان اختر، ہلچل مرزاپوری، جاوید اطہر انصاری، ریحانہ نواب، نیلو سیگھ وغیرہ۔ (ڈاک سے)

رسمِ اجرا

"فریاد" اور "آف دی ریکارڈ"

● نئی دہلی، 30 رمئی۔ "سیکولرزم ہندستان کی مٹی میں رچا بسا ہوا ہے۔ آزادی کے بعد سب سے بڑی کامیابی یہ رہی ہے کہ ہندستان 16 سے زائد زبانوں اور دنیا بھر کے مذاہب کو ایک ساتھ لے کر چل رہا ہے۔ ملک ٹوٹ جاتے ہیں لیکن زبانیں نہیں چھوڑی جاتیں۔ اردو کے لیے ملک میں ماحول سازگار ہو رہا ہے، گجرال کمیٹی کی تمام سفارشات نافذ ہو چکی ہیں، اب اس زبان کے لیے سنجیدگی سے غور ہو رہا ہے۔" ان خیالات کا اظہار سابق وزیرِ اعظم اندر کمار گجرال نے آج آئیڈیا کمیونیکیشن کے ذریعے اردو گھر میں منعقد دو کتابوں کی رسم اجرا کی تقریب میں کیا۔ اس موقع پر سینئر صحافی اور ممبر پارلیمنٹ کلدیپ نیر، سہارا انڈیا پریوار کے ڈپٹی ڈائریکٹر (ورکر اور میڈیا انچارج) عبدالدبیر، جامعہ ہمدرد کے چانسلر سید حامد، راشٹریہ سہارا کے چیف ایڈیٹوریل ایڈوائزر پروفیسر نامور سنگھ، آئیڈیا کمیونی کیشن کے چیئرمین ڈاکٹر محمود الرحمن اور شاہد پرویز موجود تھے۔

مسٹر گجرال نے سید حامد کی کتاب "فریاد" کی رسم اجرا کے موقعے پر کہا کہ سید حامد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے سماجی ترقی کے لیے ہر میدان میں کام کیا ہے ان کی تحریروں میں غضب کی متانت اور فکر میں اعلیٰ درجے کی سنجیدگی ہے۔ مسٹر گجرال نے اردو زبان میں شائع ان کتابوں پر بولتے ہوئے کہا کہ جس وقت گجرال کمیٹی بنی اس وقت اردو زبان کی صورت حال کافی خراب تھی، آج اس کی پوزیشن مستحکم ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ گجرال کمیٹی کی تمام سفارشات پر عمل ہو چکا ہے۔ اس موقع پر مسٹر گجرال نے کہا کہ گجرات میں جو ہوا وہ بہت برا ہوا، اس کی جتنی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہندستان میں سیکولرزم کمزور ہو گیا۔ یہ ہندستان کی مٹی میں رچا بسا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نامور سنگھ نے کہا کہ گجرات معاملے میں میڈیا کا کردار قابلِ تعریف رہا۔ میڈیا نے فسادات کے دوران مثبت کردار ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ گجرات معاملے پر تحریر کی گئی "فریاد" اور "آف دی ریکارڈ" برمحل شائع ہوئی ہیں۔

سینئر صحافی کلدیپ نیر نے سید حامد کے ذریعے اپنی کتاب کا نام "فریاد" رکھے جانے پر سخت اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس کا نام رواداری اور مطالبہ ہونا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ملک سب کا ہے۔ آزادی کی جنگ مساوی حقوق کے لیے لڑی گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں زندہ رہنے کے لیے، سماجی ترقی کے لیے فریاد کی قطعی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

سید حامد کی کتاب "فریاد" کا اجرا سابق وزیرِ اعظم اندر کمار گجرال نے کیا۔ جب کہ شاہد پرویز کی کتاب "آف دی ریکارڈ" کا اجرا سینئر صحافی کلدیپ نیر اور جناب عبدالدبیر نے کیا۔ صدارتی خطبہ جناب محمود الرحمن نے دیا جب کہ نظامت کے فرائض آصف اعظمی نے انجام دیے۔ پروگرام کے اختتام سے قبل مہمانوں کو مومنٹو پیش کر کے ان کی عزت افزائی کی گئی۔

آبنوسی خیال

● کولکاتا، 8 مئی۔ مرحوم عین رشید خاں کے اُرو مجموعہ کلام "آبنوسی خیال" کا آج ریاستی وزیر برائے اقلیتی امور محمد سلیم کے ہاتھوں اجرا ہوا۔ اس

موقعے پر "آبنوسی خیال" کے ہندی اور بنگلہ ترجمہ کا بھی اجرا کیا گیا۔ عین رشید خاں میموریل کمیٹی اور آسٹن ینگ کلب کے زیر اہتمام گورکی سدن میں منعقدہ تقریب میں ممتاز مورخ پروفیسر عرفان حبیب نے عین رشید خاں میموریل لیکچر دیا۔ اس کے بعد عین رشید خاں کی ڈوکومنٹری فلم "ساتواں آدمی" کی نمائش کی گئی۔ راجیہ سبھا کی رکن اور فلمی اداکارہ شبانہ اعظمی نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ عین رشید خاں ہمارے بہت اچھے دوست تھے۔ ہم ان کے فن کو سراہتے ہیں۔ اعلیٰ جنس برانچ کے سابق ڈائرکٹر ڈاکٹر امیا سانتا نے کہا کہ رشید اچھے شاعر ہونے کے ساتھ فرض شناس سینئر پولیس افسر تھے۔ ہندی روزنامہ 'جن ستا' کے مدیر شمبھوناتھ شکلا نے رشید خاں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ غالب کو بنگلہ میں مکمل طور پر پیش کرنا صرف رشید خاں کا ہی کام تھا۔

مہمانِ خصوصی وزیر محمد سلیم نے کہا کہ ہم نے عین رشید خاں کو کھو کر بھاری نقصان پہنچایا ہے۔ آج کے دور میں ان کے اصولوں کو اپنا کر حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ 'آزاد ہند' کے مدیر احمد سعید ملیح آبادی نے کہا کہ رشید کے چہرے کی طرح دل بھی بہت خوبصورت تھا۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ انسانیت نواز پولیس افسر تھے۔ مرحوم کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ملک کے موجودہ حالات میں ہمیں رشید خاں جیسے پولیس افسر کی سخت ضرورت ہے۔ پروفیسر اعزاز افضل نے کہا کہ رشید خاں صرف ایک شاعر نہیں تھے بلکہ وہ ہندی، انگریزی، اردو بنگلہ اور زبانوں کے ادیبوں اور شاعروں کے درمیان پل کا کام کرتے تھے۔ (آزاد ہند، کولکاتہ)

پہلا آسمان

● نئی دہلی، 2/جون۔ مشہور غزل سنگر جگجیت سنگھ نے معروف شاعر ڈاکٹر نواز دیوبندی کے پہلے شعری مجموعہ کلام "پہلا آسمان" کا اجرا کانسٹی ٹیوشن کلب کے اسپیکر ہال میں ایک پروقار تقریب میں کیا۔ تقریب میں ادیب، شعرا، صحافی، وکلا اور سیاسی و سماجی حضرات بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مشہور شاعر ڈاکٹر بشیر بدر نے منصب صدارت سے تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر نواز دیوبندی کی شاعری کو عوام کے دلوں میں اتر جانے والی شاعری بتاتے ہوئے کہا کہ اردو شاعری کو غیر اردو حلقے میں پہنچانے کا بڑا کام جگجیت سنگھ جیسے گلوکاروں نے کیا ہے۔ شعبۂ مطالعاتِ اسلامی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے صدر پروفیسر اخترالواسع نے کہا کہ تہذیبی اور ثقافتی منظرنامے پر جن کی وجہ سے اردو ابھری ان میں جگجیت سنگھ کا نام نمایاں ہے۔ انھوں نے ایسے لوگوں پر نکتہ چینی کی جو زبان کو مذہب سے جوڑتے ہیں۔ پروفیسر واسع نے کہا کہ مذہب کو زبان کی ضرورت ہوتی ہے، زبان کو کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے نواز دیوبندی کو پہلے مجموعہ کلام پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ انھوں نے افکار تازہ سے نئے جہانوں کی تعمیر کی ہے۔ تین درجن سے زائد کتابوں کے مصنف رفعت سروش نے نواز کو ایک اچھے شاعر کے ساتھ عمدہ انسان بتاتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کی عظمت اور امتیاز اردو مشاعرے ہیں۔ مگر انھوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو کے سامعین کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اس کے قارئین کم ہوتے جارہے ہیں۔ جگجیت سنگھ نے ان کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ نواز دیوبندی سے ملاقات بعد میں ہوئی ان کا کلام میں نے پہلے سنا۔ جگجیت سنگھ نے کہا کہ شاعری انسانی جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ دل کو جو الفاظ چھولیں اور دل و ذہن پر چسپاں ہو جائیں وہی سچی اور اچھی شاعری ہے۔

ڈاکٹر نواز دیوبندی نے حاضرین کی فرمائش پر اپنا تازہ کلام سنانے سے پہلے سبھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی دوسری کتاب دوسرا آسمان بھی تیاری کے مراحل میں ہے۔ اس سے قبل ہندی میں 'پہلی بارش' منظر عام پر آرہی ہے۔ خطاب کرنے والوں میں ہندی کے معروف شاعر اشوک چکردھر، روزنامہ راشٹریہ سہارا کے مدیر عزیز برنی، جناب منظور عثمانی، حسیب صدیقی، جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر سراج حسین اور یوپی کے سابق وزیر اشوک یادو کے علاوہ کئی لوگ شامل تھے۔ یہ تقریب مختلف زبانوں کے قلم کاروں کی ادبی تنظیم انٹرنیشنل قلم فاؤنڈیشن (انڈیا) کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ (قومی آواز، دہلی)

تنکا تنکا آشیاں

● انجمن فروغ اُردو جموں و کشمیر جموں کی طرف سے 26/اپریل 2002 کو ایک سادہ مگر پُر وقار تقریب میں جموں صوبے کے ایک دور دراز علاقے لائی کے غیر معروف اور انجانے شاعر سعیداللہ ملک حزیںؔ مرحوم کے شعری مجموعے "تنکا تنکا آشیاں" کی رونمائی ہوئی۔ اس تقریب کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر ظہورالدین نے فرمائی۔ مہمانانِ خصوصی جناب محمد یوسف ٹینگ اور جناب خالد حسین تھے۔ ان کے علاوہ انجمن کے صدر جناب مالک رام آنند اور کتاب کے مرتب جناب خالدؔ کفایت مالیر کوٹلوی بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ مقررین نے، جن میں مذکورہ حضرات کے علاوہ جناب پرتھپال سنگھ بیتابؔ، جناب ایاز رسول نازکی، جناب محمد اسرار اور خورشید کاظمی شامل تھے، حزیںؔ مرحوم کے کلام کی کھل کر تعریف کی؛ خاص کر اس بات کی کہ حزیںؔ پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود ایسی اچھی شاعری کر سکے جب کہ ان کو کوئی اچھا استاد اور رہنما میسر نہ تھا۔ ڈاکٹر ظہور نے خالدؔ کفایت کا

شکریہ ادا کیا جنھوں نے ایک ایسے شاعر کو ادبی دنیا سے روشناس کروایا جس کا کلام یقیناً ضائع ہو جاتا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کام نقاد حضرات کا ہے کہ وہ اس کلام کو پرکھیں اور اس کا مقام متعین کریں۔ (ڈاک سے)

ناگپور میں فارسی

● ناگپور۔ گزشتہ دنوں ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل صاحب کی چھبیسویں تصنیف "ناگپور میں فارسی" کا اجرا ڈاکٹر سید رفیع الدین (سابق صدر شعبہ اردو، فارسی، عربی ناگپور مہاودیالیہ، ناگپور) کے دستِ مبارک سے ہوا۔ اس جلسے کا اہتمام "ادبستان" پروفیسر سید یونس نے انجام دیے۔ جلسے کا آغاز تلاوت کلامِ ربانی سے ہوا۔ ابتدا میں ڈاکٹر خواجہ ربانی نے کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف کرایا اور کتاب کو ایک بھرپور دستاویز قرار دیا۔ ڈاکٹر ساحل نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ اپنے تحقیقی کام کو ایک مشن کے تحت انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین نے ڈاکٹر ساحل کے تحقیقی کاموں کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ ودربھ کے یہ واحد قلم کار ہیں جنھوں نے فارسی مخطوطات و کتبات کی روشنی میں علاقے کی پوشیدہ تاریخ کو منظر عام پر لانے کا غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر ساحل کی یہ کتاب ناگپور میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس میں تین سو سال کی تاریخ کو چھان پھٹک کر سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں صدر جلسہ پروفیسر یونس نے خطاب کیا۔ شکریے کی رسم ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن نے انجام دی۔ نظامت کی ذمے داری جناب کلیم احمد نے سلیقے سے نباہی۔ (ڈاک سے)

ڈاکٹر محمد طیب انصاری: شخص اور عکس

● بنگلور، 3/ مئی۔ ڈاکٹر محمد طیب انصاری اردو کے مشہور ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں خیالات کی گہرائی پائی جاتی ہے ان خیالات کا اظہار میجر خلیل الرحمن نے محمد منظور احمد اور عظیم الدین عظیم کی مرتبہ کتاب "ڈاکٹر محمد طیب انصاری: شخص اور عکس" کی رسم اجرا انجام دیتے ہوئے کیا۔ رسم اجرا کی تقریب 12/ مئی اتوار کو 4.30 بجے دن دارالسلام کوینس روڈ بنگلور میں انجام پائی۔ جناب سید احمد ایثار نے طیب انصاری کا خاکہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ان کی شخصیت متاثر کن ہے اسی طرح ان کی تحریریں پڑھنے والوں کو متاثر کرتی ہیں۔ پروفیسر ابو تراب خطائی نے اپنی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہا کہ میں طیب انصاری کو پچھلے 30، 32 برسوں سے جانتا ہوں۔ ممتاز محقق جناب سلیم تمنائی نے ڈاکٹر طیب انصاری کی ادبی صلاحیتوں کو خراج پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں ان کی خاکہ نگاری کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ تقریب کے صدر جناب منظور احمد صدر مجلس ادب نے طیب انصاری کی عملی ادبی خدمات کا جائزہ لیا۔ تقریب کی ابتدا میں ناظم جلسہ جناب عظیم الدین عظیم نے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر طیب انصاری نے اظہار تشکر کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کرناٹک کی حکومت فراخدل ہے اسی لیے توقع کی جاسکتی ہے کہ اردو تدریس اور زبان کے مسائل جلد حل ہوں گے۔

جلسے کے دوسرے دور میں محفل شعر آراستہ ہوئی۔ مشاعرے کی صدارت حضرت آزاد ساحری نے کی۔ ریاست کے ممتاز شعرا میں مسرز احمد جامی، ندیم فاروقی، ابراہیم نفیس، تلک راج تلک، گوہر تری کیروی، انیس ابراہیم، ضیاء کرناٹکی، عبدالقادر عارف، افسر بنگلوری، وزیر عرشی، نذیر نصرت، اثر سعید، اختر علوی اور شاعرات میں سعدیہ سلطانہ اور شفیق پروین کے علاوہ مہمان خصوصی جناب ایثار اور صدر مشاعرہ حضرت آزاد ساحری نے کلام سنایا۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض جناب ریاض احمد خمار نے انجام دیے۔ (سیاست، حیدرآباد)

وفیات

مصور سبزواری

● سنبھل، 13/ جون۔ جدید اردو غزل کے معمار اور عالمی سطح پر شہرت یافتہ شاعر و ادیب مصور سبزواری کا طویل علالت کے بعد کل رات (12 جون کو) دہلی میں انتقال ہو گیا۔ علالت کی وجہ سے انھیں علاج کے لیے دہلی لایا گیا تھا۔

ظفر حسین نقوی مصور سبزواری کو جدید غزل کا نمائندہ شاعر تصور کیا جاتا تھا، انھوں نے اپنی تمام زندگی ادب کے لیے وقف کر دی۔ اپنی 70 سالہ زندگی میں انھوں نے مانجھی دھیرے چل، برگِ آتش سوار، رشتے ٹوٹنے کا موسم، دہلیز پر اترتی شام اور دھال کے عنوانات سے پانچ شعری مجموعے تخلیق کیے۔ اس کے علاوہ "ناول 'پت جھڑ کے مسافر' اور 'یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے' لکھے۔ انھوں نے کئی ناولٹ اور متعدد مضامین بھی لکھے۔ مصور سبزواری نے غزل کی صنف کو اس شعور اور خوبی کے ساتھ برتا کہ ناقدین نے ان کی صلاحیتوں کو تسلیم کیا۔ مذہب سے گہرا شغف رکھنے والے مصور سبزواری نے قرآن حفظ کیا تھا اور دس محرابیں بھی مکمل کی تھیں۔ ان کی تخلیقات کے ہندی، پنجابی اور انگریزی زبانوں میں ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ملک کی کئی اردو اکادمیاں (جن میں دہلی، راجستھان، بہار، یوپی اور ہریانہ شامل ہیں) اور ساہتیہ اکادمی انھیں مختلف انعامات و اعزازات سے نواز چکی تھیں۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

رمز آفاقی

● نئی دہلی، 4/ رجون۔ معمر شاعر رمز آفاقی کا 88 سال کی عمر میں 31 رمئی کو علی گڑھ میں انتقال ہو گیا۔ مظہر الاسلام انصاری المتخلص معروف بہ رمز آفاقی کا آبائی وطن بدایوں تھا۔ تدفین مسلم یونی ورسٹی کے قبرستان میں ہوئی۔ پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہیں۔

(قومی آواز، نئی دہلی)

اکرم فاروقی

● پروفیسر نثار احمد فاروقی کی اطلاع کے مطابق اردو کے مقبول افسانہ نگار اور ماہر تعلیم جناب اکرم فاروقی کا 9 رجون 2002 کو اُن کے وطن امروہہ میں انتقال ہو گیا۔ اُن کی عمر 62 برس تھی۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے ملتا ہے۔ اکرم صاحب کے والد مولوی آفتاب الدین فریدی اور دادا مولوی مظہر الدین فریدی اپنے زمانے کے بڑے عالم اور شہر کی محبوب شخصیت تھے، اُن کے ہزاروں شاگرد تھے۔ اکرم فاروقی سنٹرل اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے ملک کے مختلف علاقوں میں رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) امروہہ کے سکریٹری کی حیثیت سے فریدی کمپیوٹر ٹریننگ سنٹر اور گرافک ڈزائن سنٹر کو نہایت تندہی سے چلا رہے تھے۔ اپنے والد مرحوم کی یاد میں انھوں نے آفتاب جونیر ہائی اسکول بھی قائم کیا تھا۔ پس ماندگان میں تین بیٹے ہیں۔ اکرم فاروقی کے افسانے ابتدا میں بیسویں صدی میں شائع ہوئے، پھر ملک کے دوسرے باوقار ادبی رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے۔

جوابات کوئز :

1- ج	2- د	3- ج	4- ب	5- الف	6- ج
7- ج	8- ج	9- ج	10- ج	11- ب	12- الف
13- د	14- ج	15- ج	16- ج	17- ب	18- د
19- ج	20- ج	21- ب	22- ج	23- ج	24- د
25- د	26- ب	27- ج	28- الف	29- د	30- د
31- د	32- د	33- د	34- ب	35- ج	36- الف
37- د	38- ج	39- ج	40- ج	41- د	42- ب
43- د	44- د	45- ج	46- ب	47- ج	48- ب
49- ج	50- الف				

غلام رسول ساجد

● جناب محمد اظہر (برہانپور) کی اطلاع کے مطابق کھنڈوہ ضلع کے مشہور ادیب ڈاکٹر غلام رسول ساجد کا مختصر علالت کے بعد 15 راپریل 2002 کو کرلا، ممبئی میں دن کے بارہ بجے انتقال ہو گیا۔ مرحوم کا جنازہ ممبئی سے ان کے وطن برہانپور لے جایا گیا اور 16 راپریل کو سپرد خاک کیا گیا۔ مرحوم بڑے محنتی اور پُر خلوص شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی کتاب "اردو کی منتخب تاریخوں کا تنقیدی جائزہ" بہت مقبول ہوئی۔

(ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی)

ابو جعفر زیدی

● نئی دہلی، 7 رجون۔ اردو کے ممتاز اور مشہور کاتب ابو جعفر زیدی کا 6 رجون کو لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ یہ اطلاع انجمن ترقی اردو نے دی ہے۔

مرحوم فن کتابت کے ماہر مانے جاتے تھے۔ تقریباً 25 سال تک وہ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں کاتب کے عہدے پر فائز رہے۔ زیدی صاحب نے دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے علاوہ انجمن ترقی اردو ہند کی بہت سی کتب کی کتابت کی تھی۔ ہندستان سے باہر بھی ان کے کام کی بہت قدر کی جاتی تھی۔

انھیں بہترین کاتب ہونے پر غالب انسٹی ٹیوٹ نے انعام سے نوازا تھا۔ ان کے والد ابو طاہر زیدی صاحب بھی اپنے زمانے کے مشہور کاتب تھے۔

(قومی آواز، دہلی)

□□□

ہندستان کا نظامِ جمال

(تین جلدوں میں)

مصنف: شکیل الرحمٰن

بدھ جمالیات سے جمالیاتِ غالب تک محیط

اس مبسوط کتاب میں ہندستان میں فنِ سنگ تراشی، فنِ تعمیر، فنِ مصوری، فنِ خطاطی اور فنِ رقص و موسیقی کا تفصیلی تعارف شامل ہے۔ رنگین تصاویر سے مزین ان جلدوں کی طباعت آرٹ پیپر پر کی گئی ہے۔

کل صفحات: 918، قیمت: 1311 روپے (مکمل سیٹ)

تبصرہ و تعارف

ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

پروفیسر گوپی چند نارنگ

364 صفحات، -/200 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی

مبصر: دیسم بیگم

پروفیسر گوپی چند نارنگ نہ صرف اعلیٰ پایے کے نقاد، ماہر لسانیات، ممتاز ادیب ہیں بلکہ ان کا شمار ممتاز محققین میں بھی ہوتا ہے۔ ان کو اردو زبان کے ساتھ ہندی اور انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انگریزی اور ہندی میں بھی ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کو نہ صرف ہندستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی انعام و اکرام سے سرفراز کیا جاچکا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب "ہندستانی قِصّوں سے ماخوذ اردو مثنویاں" پروفیسر گوپی چند نارنگ کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ یہ ان کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اب تک مثنویوں پر جو بھی کتابیں سامنے آئی ہیں ان کا دائرہ نسبتاً محدود ہے۔ اس کے علاوہ ان کی حیثیت تحقیقی سے زیادہ تاریخی ہے۔ ابھی تک کوئی ایسا بڑا کام سامنے نہیں آسکا جس کو حوالے کے طور پر پیش کیا جاسکے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1959 اور پھر 1962 میں شائع ہوئی لیکن اس وقت یہ کتاب Out of Print ہو چکی تھی۔ اسی ضرورت کے تحت پروفیسر نارنگ نے اس کتاب پر نظرِ ثانی کی اور مزید اس میں ڈیڑھ سو صفحات کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کی سب سے بڑی تحقیقی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے نہ صرف قِصّوں اور کہانیوں کے متون بیان کیے بلکہ ان سب کے مآخذ اور نسخوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ان مثنویوں کا جائزہ تاریخی، معاشرتی اور تہذیبی پس منظر میں بھی لیا ہے۔

ہندستانی تہذیب چونکہ گنگا جمنی تہذیب ہے، یہاں کی معاشرت ملی جلی ہے اسی لیے ان قِصّوں اور مثنویوں پر اسلامی قصّے اور کہانیوں کے علاوہ ہندستانی لوک کتھاؤں، نیز عوامی روایتوں کا اثر بھی نمایاں ہے۔

زیرِ نظر کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل۔ "پورانک قِصّوں" پر مبنی ہے ان قِصّوں میں "مثنویات نل و من" اور "مثنویات شکنتلا" کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے انھوں نے مثنویوں کے منتخب اشعار بھی حوالے کے طور پر پیش کیے ہیں۔ مثنوی کا ماخذ خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں، اس طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مثنوی کے اردو اور فارسی نسخوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ اس لحاظ سے پروفیسر نارنگ کا یہ ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے جس میں انھوں نے بڑی لگن اور دلسوزی سے کام لیا ہے۔ باب دوم "قدیم لوک کہانیاں" پر مبنی ہے۔ اس میں مصنف نے تمام دکھنی مثنویوں کا احاطہ بڑے دلکش انداز سے کیا ہے اور تمام قِصّوں کے نسخوں کی تفصیل بھی تحریر کی ہے۔ اسی باب میں شمالی ہندستان کے تمام قصّے اور مثنویوں کو یکجا کر کے ان کے اصل متن کو پیش کرنے کی سعی کی ہے جس کو پڑھ کر اُس دور کی زبان اور تہذیبی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ اس وقت لوگوں کی کیا سوچ تھی، کس طرح کے تہوار منائے جاتے تھے، ان کا لباس، ان کی بولی، غرض اُس وقت کا تہذیب و تمدن قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ کا یہ تحقیقی کام تنقیدی اہمیت کا بھی حامل ہے کیوں کہ اس میں انھوں نے کم و بیش ہر قصّے اور مثنوی کے آخر میں تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے جس سے اس مثنوی کی حقیقت و ماہیت ہمارے سامنے آتی ہے نیز ان کی تنقیدی بصیرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

"...اس کی سب سے بڑی خوبی اُس کی حسن کاری، شیرینی اور شگفتگی ہے۔ گو ایک مثنوی میں کئی داستانیں بیان کی گئی ہیں لیکن تسلسل میں کوئی فرق نہیں آنے پایا، اصل قصّے میں مقامی ماحول اور معاشرت کی کامیاب عکّاسی کی گئی ہے۔ مثنوی کی زبان قدیم ہے۔" (قِصہ راجا رام اور کنول دئی)

باب سوم "نیم تاریخی قصّے" پر مشتمل ہے۔ ان تاریخی مثنویوں کی خاصیت یہ ہے کہ اُس میں مصنف نے ان قِصّوں کی تاریخی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان تاریخی مثنویوں سے ملتی جلتی جتنی بھی کہانیاں ہیں ان سب کو شامل کیا ہے۔

مرے رانجھے کو بتانی یہ خبر
ترے غم میں گزری ہے وہ سیم بر
تجھے یاد کرتی رہی صبح و شام
ترے عشق میں چھوڑی دنیا تمام

(مثنوی ہیر رانجھا، کرم الٰہی)

باب چہارم میں "ہند ایرانی قصّے" بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں "مثنوی پھول بن"، "مثنوی سحر البیان" اور "مثنوی گلزار نسیم" پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب پروفیسر گوپی چند نارنگ کا ایک ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کے بغیر اردو زبان کے شعری کلاسیکی سرمایے کو سمجھنا بہت مشکل تھا۔ کتاب کا سرورق پرکشش ہے۔ کاغذ عمدہ ہے۔ کتاب کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تحقیق اور تنقید دونوں اعتبار سے مصنف کا یہ کارنامہ ناقابلِ فراموش ہے۔

•

ہندستانی معیشت / الک گھوش، مترجم: محمد خلیق

669 صفحات، -/134 روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، آر کے پورم، نئی دہلی
مبصر: ملک راشد فیصل

ہندستان ایک بڑے رقبے اور کثیر آبادی والا ملک ہے۔ یہاں کی سرزمین مختلف قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ یہاں مختلف عقائد کے ماننے والے انسان بستے ہیں۔ یوں تو کسی بھی ملک کو چلانے میں اس کی معیشت سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن ہندستان جیسے وسیع و عریض اور مختلف النوع آبادی رکھنے والے ملک میں معیشت کو روح کی حیثیت حاصل ہے۔ آزادی کی پانچ دہائیاں گزر جانے کے بعد بھی ہندستان کو کم ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں رکھا جاتا ہے جب کہ اب تک ہم نے معیشت کی ترقی کے لیے نو پنج سالہ منصوبے بھی بنائے اور ان کو زیرِ عمل بھی لایا گیا۔ دسواں پنج سالہ منصوبہ (2002-2007) زیرِ غور ہے۔ آخر ہماری معاشی پسماندگی کے کیا اسباب ہیں؟ ہماری معیشت کے بنیادی مسائل کیا کیا ہیں۔ ہم پنج سالہ منصوبوں کے ذریعے کہاں تک ترقی کر سکے؟ ہمارے پاس کیا کیا قدرتی وسائل ہیں اور زراعت کے ہم پر کیا اثرات ہیں؟ ہمارے ملک میں صنعتی ترقی کس حد تک ہوئی ہے اور معاشی ترقی میں اس کا کیا رول ہے؟ ہمارا بینکنگ نظام کتنا آگے ہے اور بیرونی و داخلی تجارت کس طرح اپنے پاؤں جما رہی ہے؟ یہ اور اس طرح کے متعدد سوالات کے جوابات سے اردو داں طبقہ بھی واقف ہونا چاہتا ہے لیکن بازار میں معاشیات پر اردو کتابوں کی یکسر کمی ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ادب کے علاوہ دیگر موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کے سلسلے کے اقدامات میں سے یہ ایک مناسب اور اہم قدم ہے۔ الک گھوش کی اصل کتاب انگریزی میں تھی۔ مترجم محمد خلیق نے اس کا سہل ترجمہ کر کے اردو داں طبقے کو ایک نادر تحفہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے کتاب کو 33 ابواب اور آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ذیلی عنوانات بھی قائم کیے ہیں۔ پہلے باب میں کم ترقی یافتہ ملکوں کی راہ کی رکاوٹوں پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ دوسرے اور تیسرے ابواب میں بالترتیب معاشی ترقی کے مختلف پہلوؤں اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے بنیادی مسائل کا بیان ہے۔ یہاں حصہ اول ختم ہوتا ہے۔ اس حصے کے آخر میں بطور ضمیمہ سات ٹیبل درج ہیں جن میں متعلقہ عنوان کے مختلف اعداد و شمار دیے گئے ہیں۔ حصہ دوم چوتھے باب سے نویں باب پر مشتمل ہے جس میں ہندستانی منصوبہ بندی کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے اختتام پر مختلف پنج سالہ منصوبوں کے مالی مصارف اور وسائل کو ٹیبلوں کی شکل میں بطور ضمیمہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں ہندستانی معیشت کے مسائل کی تفصیل ہے۔ اس طرح ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے ہیں ہمیں ہندستانی معیشت کے مختلف شعبوں اور اداروں اور ان میں پیدا شدہ مسائل سے واقفیت ہوتی جاتی ہے۔ مصنف نے اپنے طور پر مسائل کے حل کے لیے اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے ان کمیٹیوں کی روداد بھی معلوم کی جا سکتی ہے جن کی تشکیل وقفے وقفے سے حکومتِ ہند نے ترقیاتی پروجیکٹوں کے لیے متعدد اداروں میں کی تھی۔ کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ ہر حصے کے اخیر میں ضمیمے کے طور پر تفصیلات کے لیے اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں تاکہ قاری کو صحیح نتائج تک پہنچنے میں مدد ملے۔ اخیر میں ضمیمے کے طور پر تفصیلات کے لیے اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں تاکہ قاری کو صحیح نتائج تک پہنچنے میں مدد ملے۔ اخیر میں حصہ ہشتم کے تحت تجارت، مبادلہ اور نقل و حمل کے ذیل میں مختلف موضوعات کے علاوہ دوسری جنگِ عظیم اور اس کے بعد ہندستان کی بیرونی تجارت سے بحث کی گئی ہے۔ مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ:

”فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ برآمدات بڑھائی جائیں اور پیداواری استعداد کا زیادہ مؤثر استعمال ہو۔ پیداوار بڑھانے کے ایک سے زیادہ طریقے ہیں۔ جہاں ممکن ہو وہاں ایک شفٹ سے زیادہ میں کام ہو، موجودہ مشینوں میں توازن پیدا کرنے والے حاشیائی آلات بڑھائے جائیں جن سے موجودہ استعداد کا پورا استعمال ہو سکے۔ کارخانوں میں جدید آلات لگائے جائیں۔“ کسی بھی معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے پیداوار کا بڑھایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ مذکورہ اقتباس میں مصنف نے پیداوار کو بڑھانے کے لیے جو مشورے دیے ہیں وہ اہمیت کے حامل ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر کتاب کے آخر میں استعمال شدہ اصطلاحات کی ایک فرہنگ درج کی جاتی۔ یوں معاشیات کے نئے قارئین کو زیادہ دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ہندستانی معیشت سے دلچسپی رکھنے والے اردو قارئین کے لیے یہ کتاب ایک انمول تحفہ ہے۔ سرورق دیدہ زیب ہے اور ضخامت کے لحاظ سے قیمت بھی بہت مناسب ہے۔

•

آف دی ریکارڈ / شاہد پرویز

92 صفحات، 100 روپے

ناشر: آئیڈیا کمیونی کیشن، D-43، فرسٹ لین ، ملحہ ہاؤس،

جامعہ نگر، نئی دہلی-25

مبصر: کمال احمد صدیقی

شاہد پرویز نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے اردو ادب میں پی. ایچ. ڈی. کی تھی۔ جے. این. یو. سے ایڈوانس ڈپلوما ان ماس میڈیا بھی انھوں نے حاصل کیا۔ 1982 میں "قومی آواز" میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ سہنگ کے ساتھ ساتھ انھوں نے رپورٹنگ بھی کی، نامہ نگار کے فرائض بھی انجام دیے اور سیاسی شخصیتوں سے انٹرویو بھی لیے۔ قومی آواز کے علاوہ جدہ کے "اردو نیوز" کے لیے کالم لکھے اور آج بھی لکھ رہے ہیں۔ صحافت کے ہر اہم شعبے میں کام کرنے نے انھیں ایک سرگرم صحافی بنادیا۔

"آف دی ریکارڈ" صحافت کی ایک اصطلاح ہے۔ اپنے بیان کے کسی نکتے یا پالیسی کی وضاحت کے لیے حکومت کا نمائندہ، لیڈر یا کوئی اور کوئی بات بتائے اور کہے کہ یہ آف دی ریکارڈ ہے تو نہ اس کا حوالہ دیا جاتا ہے اور نہ اسے لکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ آف دی ریکارڈ معلومات ہوتی بہت اہم ہیں۔ جو باتیں گفتگو کے دوران اہم شخصیتوں نے شاہد پرویز کو بتائیں، تکنیکی طور پر وہ آف دی ریکارڈ نہ ہوتے ہوئے بھی آف دی ریکارڈ باتوں کی سی اہمیت رکھتی ہیں، اس لیے کتاب کا عنوان چونکا دینے والا ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنی خبروں کو توجہ کش سرخیاں فراہم کرتے ہوں گے۔

شاہد پرویز نے اس کتاب میں قومی اہمیت کے سولہ رہنماؤں کے انٹرویو جمع کیے ہیں جو قومی آواز (دلی) اور اردو نیوز (جدہ) میں شائع ہوئے تھے۔ انٹرویو ان سے لیے گئے: وی پی سنگھ، چندر شیکھر، پی وی نرسمہا راؤ، ایچ ڈی دیوگوڑا، آئی کے گجرال (یہ سب وزیر اعظم رہ چکے ہیں)، سیتارام کیسری، اندر جیت گپتا، پرنب مکھرجی، ملائم سنگھ یادو، فاروق عبداللہ، غلام نبی آزاد، مادھو راؤ سندھیا، راجیش پائلٹ، دگ وجے سنگھ، سیف الدین سوز اور پریہ رنجن داس منشی۔ یہ سب جانے پہچانے نام ہیں۔ جیوتی باسو کا نام نہ ہونا کھٹکتا ہے۔ اسی طرح اٹل بہاری واجپئی کی غیر موجودگی بھی کھٹکتی ہے۔ یہ بھی بڑی عجیب سی بات ہے کہ ایک بھی خاتون فہرست میں نہیں ہے۔

ہر شخصیت اپنی جگہ اہم ہے۔ توجہ سے انٹرویو پڑھیے تو احساس ہوا کہ بنیادی موضوع اقلیتوں کی حالتِ زار ہے، باقی گفتگو زیبِ داستاں کے لیے ہے۔

ابلاغ عامہ میں بنیادی بات Message ہوتی ہے۔ دوسری ساری باتیں اسی سے جڑے ہوئے لوازمات ہیں۔ شاہد پرویز ابلاغ عامہ کے ماہر ہیں اور انھوں نے اس مرکزی خیال کو ماہرانہ طریقے سے پیش کیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

وی. پی. سنگھ:

کشمیری عوام نے حکومتوں پر بھروسہ کیا اور حکومتوں نے انھیں مایوس کیا، اور اب وہ مایوسی ایک طرح سے نفرت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اس پس منظر میں کشمیر کا حل بھی نکالنا چاہیے۔... حکومت کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ کشمیر چاہتی ہے، یا کشمیری عوام کا اعتماد۔

چندر شیکھر:

(اس سوال کے جواب میں کہ کیا ہند و پاک تعلقات کبھی خوشگوار ہو سکیں گے؟)

میرے خیال میں ان دونوں ملکوں کے درمیان کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا حل باہمی مذاکرات سے نہ نکل سکے۔ میری یہ قطعی رائے ہے کہ دونوں ملک امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں، کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی ایسا سنگین اختلاف نہیں جو بات چیت سے حل نہ ہو سکے۔ جو بھی مسئلہ ہے وہ تقسیم ہند کی تاریخ کا حصہ ہے۔ بعض لوگ اسی مسئلے کو لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ وہ ماضی کو بھلانے کے لیے تیار نہیں۔ ہمیں ماضی کو فراموش کر کے حقائق کا سامنا کرنا چاہیے۔

پی. وی. نرسمہا راؤ:

(اس سوال کے جواب میں کہ سب سے سنگین الزام یہ ہے کہ آپ بابری مسجد کی شہادت کے ذمّے دار ہیں)

میں پوری ایمانداری سے عرض کروں گا کہ میں اس کا ذمہ دار نہیں۔ میں کسی بھی طرح ذمہ دار نہیں۔

شاہد پرویز نے گجرال سے گفتگو اپنے الفاظ میں بیان کی ہے۔ یہ انٹرویو اس وقت کا ہے جب گجرال وزیر خارجہ تھے، دیوگوڑا کی حکومت میں:

"پاکستان کے ساتھ ہندستان کے تعلقات کی نوعیت اور ضرورت پر مسٹر گجرال نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی... انھوں نے دکھ کے ساتھ کہا کہ 50 برس دونوں نے رنجش اور ایک دوسرے کو ذلیل کرنے میں ضائع کردیے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ غیر ضروری بالادستی قائم کرنے کے لیے ہم حکومت کی سطح پر آپس میں متنفر ہو رہے ہیں...50 برس پہلے ہم ایک تھے۔ ایک دوسرے کی قدریں مشترک تھیں۔ اب سرحدیں کھینچ گئی ہیں۔ نفرت کی دیوار اونچی ہو گئی ہے، لیکن عوام کے دلوں کے درمیان نہ تو سرحدیں ہیں، نہ نفرت کی دیوار۔

اندر جیت گپتا:

پنجاب اور کشمیر کی سیاسی صورت حال اور نوعیت بالکل مختلف ہے۔ پنجاب میں انتہاپسندوں کی سرگرمیاں اور ہلاکتوں کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود سیاسی سرگرمیاں بھی جاری ہیں۔ مگر کشمیر میں ایسا نہیں ہوا...1953 کے بعد مرکز کا رویہ جموں وکشمیر حکومت کے تئیں سرد مہری کا تھا، اور مرکز نے وادی کے ساتھ تفریق برتی، جس سے وہاں کے حالات سنگین ہوتے چلے گئے...

فاروق عبداللہ:

وزیر اعظم نے محسوس کیا کہ کشمیر کو خود مختاری دی جانی چاہیے اور جہاں تک 1952 کی پوزیشن بحال کرنے کی بات ہے، تو اس پر دہلی (نے) اعلانیہ طور پر غور و خوض کا یقین دلایا ہے۔ یاد رہے کہ 1952 کے دہلی معاہدے کی تشریح کرتے ہوئے، اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ معاہدہ کی رُو سے مشترکہ شہریت کو اس شرط کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے کہ ریاستی باشندوں کو خصوصی مراعات حاصل ہوں گی۔

مادھو راؤ سندھیا:

مسٹر سندھیا نے نئی نسل سے خاص طور سے اپیل کی ہے کہ وہ وسیع النظری کا راستہ اختیار کرتے ہوئے تنگ نظری کو ختم کر دیں اور جب تنگ نظری ختم ہو گی ملک مستحکم ہوگا، عوام خوشحال ہوں گے اور اقلیتوں کی ہمہ جہت ترقی یقینی ہو گی۔

راجیش پائلٹ:

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اقلیتی اداروں کی مدد کرے، وہاں تعلیمی ماحول کو بہتر بنانے کے اقدام کرے۔ نیم فوجی دستوں اور پولیس میں بھرتی کا انتظام کرے۔

وگ وجے سنگھ:

ریاست کے مسلمانوں کی 85 فیصدی آبادی کا شمار پسماندہ طبقوں میں ہوتا ہے۔

پریہ رنجن داس منشی:

گزشتہ کچھ برسوں سے ملک کی اقلیتیں اور دلت طبقہ نہ صرف کانگریس سے ناراض ہے بلکہ متبادل کی تلاش میں کبھی اس پارٹی کی اور کبھی اُس پارٹی کی حمایت کر رہا ہے۔... مندر مسجد کی بحث سماج کو تقسیم کرنے کی سازش ہے۔ کانگریس کو یہ نظریہ اپنانا ہو گا کہ وہ ذات پات، نسل اور رنگ سے اوپر اٹھ کر غریب طبقوں کے لیے متحد ہو جائے۔

یہ ایک مختصر جائزہ شاہد پرویز کی کاوش کا، ہندوستان کے بڑے سیاسی اور سماجی منظر کو ایک Snap Shot میں پیش کرنے کا۔ تفصیل کے اہم مجز اس اجمال میں موجود ہیں۔

●

جلتا ہوا سیارہ / اختر یوسف

135 صفحات، -/140 روپے
ناشر: شب خون کتاب گھر، 313 رانی منڈی، الہ آباد
مبصر: حسن مثنیٰ

"جلتا ہوا سیارہ" اختر یوسف کے افسانوں کا مجموعہ ہے جنھیں ہم علامتی افسانے کہہ سکتے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل تقریباً سبھی افسانوں میں کچھ ایسی فضا قائم ہے جو خود احتسابی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ انھوں نے خود بھی لکھا ہے کہ "میرا دستور ہے کہ جب تک شدید خود احتسابی کے عمل سے میں گزر نہیں لیتا اپنی تخلیق اشاعت کے لیے نہیں بھیجتا۔" انھوں نے اپنے افسانوں میں آج کے انسانوں کے اندر موجود ذہنی کشمکش اور باطنی خلا کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اکثر افسانے تہہ داری لیے ہوئے ہیں۔ جملے خواہ چھوٹے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، ان میں ایک جہانِ معنی آباد نظر آتا ہے جو قاری کو سرسری گزر جانے سے روکتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔

اختر یوسف بنیادی طور پر ایک نظم نگار ہیں، اس کا احساس ان کے افسانے پڑھتے وقت بھی ہو جاتا ہے اور قاری یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ افسانوں میں آزاد نظموں کو بھی شامل کیے دے رہے ہیں۔ مجموعے کے پہلے افسانے "کالک اور اجالا" کا یہ اقتباس دیکھیے:

اب ہر طرف سناٹا تھا!
ہر طرف خاموشی تھی!
صرف سانسوں کی آوازیں تھیں!
نگاہوں کی سرگوشیاں تھیں!۔۔۔اور۔۔۔
اور تھوڑی دیر بعد جانے کیا ہوا؟؟۔۔۔؟؟
آوازوں کا جنگل پھر سرسبز ہو گیا تھا!
شور کا سمندر پھر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا!
سارا کا سارا سناٹا پگھل کر چیخ و پکار میں بدل گیا تھا۔!

سبھی افسانوں کے ساتھ عنوان سے مطابقت رکھتی ہوئی تصویر بھی شامل کی گئی ہے جو افسانہ پڑھنے سے قبل قاری کے ذہن کو افسانے کے تفہیم کی جانب متوجہ کرانے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ اس عمل میں تمہید احمد، سنبل نذیر، این۔ این۔ رائے اور طاہر رشید وغیرہ نے مصنف کا بخوبی

ساتھ دیا ہے۔ ابتدا میں شمس الرحمٰن فاروقی کا تحریر کردہ مضمون کا دیباچہ ہے جس میں انھوں نے افسانہ نگار کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے "جدید افسانے کے بچپن سے لے کر عروج تک کے مدارج بخوبی دیکھے اور برتے ہیں۔ اختر یوسف کے افسانوں کا کوئی مجموعہ اس اہمیت سے خالی نہیں کہ اس کے ذریعے جدید افسانے کا مزاج اور اس کی داخلی آب و ہوا کا پتا لگ سکتا ہے۔"

افسانوں میں "رنگوں کا المیہ"، "نہیں کا سایہ"، "گدھ"، "قحبہ خانہ"، "خالی ہاتھ نہیں"، "لاوا"، "بدبو" سبھی ایسے افسانے ہیں جن میں اختر یوسف کا فن تکمیلیت لیے ہوئے ہے۔ سرورق دیدہ زیب اور گرد پوش کی تصویر اور شمس الرحمٰن فاروقی کی آرا بھی دی گئی ہے۔ طباعت و کتابت عمدہ ہے۔

•

منظر موسم خواب (شعری مجموعہ) / سیما فریدی

156 صفحات، -/200 روپے

ناشر: ڈاکٹر ایچ. اے. فریدی، انیس منزل، شیخوپور، بدایوں (یوپی)

مبصر: عبدالوحید واحد

سیما فریدی اردو کی ایک ابھرتی ہوئی باصلاحیت شاعرہ ہیں جو فانی کی سرزمین بدایوں سے اپنی نسبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں:

ناز ہے خود پہ سیما مجھے
شہر فانی میں بستی ہوں میں

سیما فریدی اپنے افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کا اظہار بزبان اشعار بڑے پُراثر انداز میں کرتی ہیں۔ کردار کی عظمت اور اخلاقی قدروں کی پاسداری کو وہ اپنی زندگی کا نصب العین تصور کرتی ہیں:

حسن اخلاق سے بڑھ کر تو کوئی حسن نہیں
کوئی خوشبو نہیں کردار کی خوشبو کی طرح

ان کا پہلا شعری مجموعہ "منظر موسم خواب" ہمعصر اور شاعری کا ایک ایسا منظر نامہ ہے جس میں زندگی کی رعنائیاں بھی ہیں اور نامساعد حالات کی تلخیاں بھی۔ شاعرہ موصوفہ زندگی کے جن ناسازگار حالات کا شکار رہی ہیں، اس کے درد و غم کی تڑپ ان کے کلام میں صدائے بازگشت کی طرح گونجتی نظر آتی ہے:

سراپا غم تھی میری زندگی بھی
کوئی لمحہ نہیں آیا خوشی کا

دامن چشم میں مچلے ہوئے آنسو کی طرح
زیست دشوار ہے الجھے ہوئے گیسو کی طرح

گردش وقت نے مجھ کو جو دیے ہیں سیما
اپنے دامن میں چھپا کر وہ گہر رکھتی ہوں

مرے مزاج سے ملتا ہے سلسلہ غم کا
بڑھا دیا ہے مرے دل نے حوصلہ غم کا

سیما فریدی اردو کلاسیکی شاعری کی روایات اور قدروں سے آشنا ہیں جنھیں ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے ایک مخصوص روش اور منفرد انداز اختیار کیا ہے۔ شدت احساس کے ساتھ اپنے سینے میں عزم مستحکم رکھنے والی وہ ایک ایسی حوصلہ مند شاعرہ ہیں جو اندھیروں کی مسافر ہونے کے باوجود اپنے مضبوط ارادوں میں ایک پرامید سحر بھی رکھتی ہیں:

رہ کے پستی میں بلندی پہ نظر رکھتی ہوں
اپنی پرواز میں افکار کے پر رکھتی ہوں
راہ پر خار ہے، ہستی کے مراحل دشوار
پھر بھی ہر وقت جواں عزم سفر رکھتی ہوں

ہمیں ہر جنگ سیما جیتنا ہے
بنا کر راہ بر ناکامیوں کو

اپنی نگارشات قلم کے توسط سے جو بات بھی انھوں نے کہی ہے متاثر کن انداز میں کہی ہے جو قارئین کے ادبی ذوق کی تسکین کے ساتھ ہی انھیں دعوت فکر و عمل بھی دیتی ہے:

بساط غم پہ خوشی کو پرکھنا پڑتا ہے
دبا کے درد کی ٹیسوں کو ہنسنا پڑتا ہے
تلاش گل میں بہت دور دور تک سیما
کبھی کبھی ہمیں کانٹوں پہ چلنا پڑتا ہے

وہ لڑکیاں گلاب اگانا بھی سیکھ لیں
بالوں میں جن کو پھول لگانے کا شوق ہے

دلنشین اسلوب بیان کے ساتھ کلام میں سادگی و شگفتگی، سلاست و روانی اور بلا کا سوز و گداز بھی ہے۔ ان کے شائستہ لب و لہجے کے ساتھ نرالی تشبیہات و استعارات کے استعمال سے کلام میں ایک خاص جاذبیت پیدا ہو گئی ہے۔ چند اشعار اور دیکھیں:

ہوا بھی بال کھولے رو رہی تھی
جہاں پر قتل خوشبو کا ہوا تھا

میں نے قلم کو اپنا مقدر بنا لیا
میری ہتھیلیوں کو حنا ڈھونڈتی رہی

سر بسر کیف تھا غالب کی غزل کی مانند
دل جو خاموش ہوا تاج محل کی مانند

آپ دنیا میں نہ مل پائیں تو غم بھی نہ کریں
حشر میں ملنا ہمیں نیک عمل کی مانند

حال پوچھا تو بڑے کرب سے بولے وہ بزرگ
زندگی جیتا ہوں اس دور میں اردو کی طرح

•

انتخابِ کلامِ آغا شاعر قزلباش دہلوی / ڈاکٹر سید فیضان حسن

96 صفحات، -/30 روپے
ناشر: اردو اکادمی، دہلی، 5 شام ناتھ مارگ، دہلی-110054
مبصر: تابش مہدی

افسر الشعراء آغا شاعر قزلباش دہلوی دبستانِ داغ کے نمائندہ شاعر تھے۔ انھیں نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کے کلام کا ایک مجموعہ "تیر و نشتر" کے نام سے 1909 میں شائع ہوا اور ایک کتابچہ "شاعر کے سو شعر" کے نام سے 1936 میں۔ حضرت آغا شاعر قزلباش نے قرآن مجید کے ایک بڑے حصے کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے اور عمر خیام کی فارسی رباعیات کو بھی اردو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔

زیرِ نظر کتاب "انتخاب کلام آغا شاعر قزلباش دہلوی" حضرت شاعر کی غزلوں، نظموں، قصیدوں، مرثیوں، رباعیوں اور قرآنِ پاک اور رباعیاتِ عمر خیام کے منظوم تراجم کے انتخابات پر مشتمل ہے جسے سید فیضان حسن نے بڑے سلیقے کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

آغا شاعر کے زیرِ نظر انتخاب سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ اگرچہ کہیں کہیں جدید افکار و خیالات بھی اُن کے یہاں ہمیں ملتے ہیں تاہم اُن کی غزل کا غالب حصہ روایتی رنگ میں ہے۔ لطفِ زبان و بیان، سلاست و روانی، روزمرّہ اور محاورے کی دل کشی اور شوخی و طنز اُن کی غزل کا اہم امتیاز ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں:

شاعر نازک طبیعت ہوں مرا دل کٹ گیا
ساقیا لینا کہ شاید بال پیمانے میں تھا

زندگی اور موت میں اک عمر سے تھی کش مکش
وقت پر دو ہچکیوں نے پاک جھگڑا کر دیا

جس نے تجھے خلوت میں بھی تنہا نہیں دیکھا
اُس دیکھنے والے کا کلیجا نہیں دیکھا

ذرّہ بھی اگر رنگِ خدائی نہیں دیتا
اندھا ہے تجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا

گرتا ہے اُسی وقت بشر منہ کے بل آکر
جب اپنے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا

آغا شاعر قزلباش دہلوی کو اس بات پر ناز تھا کہ وہ دتی والے ہیں اور داغ اسکول سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ہمیں ہیں موجدِ بابِ وضاحت حضرتِ شاعر
زمانہ سیکھتا ہے ہم سے ہم وہ دتی والے ہیں

اُردو اکادمی دہلی کا یہ اقدام قابلِ تحسین ہے کہ وہ اپنے اشاعتی پروگراموں میں کلاسیکی شعرا کو خصوصیت کے ساتھ جگہ دیتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی کچھ مزید اہتمام کے ساتھ جاری رہے گا۔

•

تحفہ (افسانوی مجموعہ) / ڈاکٹر قیام نیر

128 صفحات، -/100 روپے
ملنے کا پتا: ڈاکٹر قیام نیر، بردلہا، ولیا کھول، در بھنگہ (بہار)

مصنف شعبۂ اردو این جے مہیلا کالج، لہریا سرائے در بھنگہ میں اردو کے استاد ہیں۔ افسانوں، انشائیوں اور تنقیدی و تحقیقی مقالات پر مشتمل 9 کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے میں 13 افسانے شامل ہیں جن کے عنوانات ــــ دیوار، سوداگر، احساس کی صلیب، بندھن، ساحل کا بھنور، بہار آتے آتے، احساس کی دستک، احساس، رعایت، پیاسی آگ، تحفہ، نئی صبح اور نئی روشنی ہیں۔ تقریظ ڈاکٹر رئیس انور نے لکھی ہے۔

•

تمنّا کا پہلا قدم / صفدر حسین

176 صفحات، قیمت درج نہیں
ناشر: صفا پبلی کیشنز، 16-2-39/G، اکبر باغ، ملک پیٹ، حیدر آباد-36

"تمنا کا پہلا قدم" صفدر حسین کے مزاحیہ مضامین اور خاکوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں 35 مضامین شامل ہیں جن میں ڈاکٹر، مالک مکان، بیوی، ساس، عشق، انگریزی زبان، ڈپلومیسی، گھر داماد، اردو کے دیوانے وغیرہ پر دل چسپ مضامین بھی شامل ہیں۔

صفدر حسین نے اردو میں بچوں کے لیے تیس سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جس میں سے کچھ قومی اردو کونسل اور نیشنل بک ٹرسٹ جیسے اداروں سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے بچوں کے لیے تراجم بھی کیے ہیں اور انگریزی میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔

محمد قاسم صدیقی بچوں کا گوشہ

کنول کا پھول

آج کل جو پردیش اڑیسہ کہلاتا ہے، ایک زمانے میں یہ جنگلوں سے گھرا ہوا تھا اور ان جنگلوں کا ایک راجا تھا۔ یہ بات بھی بہت پرانی ہے۔ راجا شکار کا بہت شوقین تھا لیکن وہ بڑا نیک تھا اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک دن جب راجا شکار کو گیا تو اس نے دُور سے ایک جنگلی ریچھ دیکھا۔ راجا اس کے پیچھے دوڑا۔ ریچھ آگے آگے اور راجا پیچھے پیچھے بڑھتے رہے یہاں تک کہ راجا گھنے جنگلوں میں پھنس گیا اور راستہ بھول گیا۔ اب راجا شکار کو تو بھول گیا، راستہ تلاش کرنے میں لگ گیا۔ راستہ تلاش کرتے کرتے وہ دوسری طرف جا نکلا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جھیل ہے اور جھیل کے اندر ایک بہت ہی خوبصورت کنول کا پھول کھلا ہوا ہے۔ جھیل کے کنارے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بہت اُداس دِکھائی دیتا تھا۔ راجا اس کے پاس گیا اور بولا۔

"اے بھئی تم اس قدر چپ چاپ کیوں بیٹھے ہو۔ تمھیں کیا دُکھ ہے؟ کیا میں تمھاری کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" اس آدمی نے غصّے سے جواب دیا" جاؤ جاؤ اپنا کام کرو۔ کیا تم راجا ہو جو ہر ایک کی مدد کرتا ہے؟ میں اپنی مصیبتوں کا بوجھ تم پر کیوں ڈالوں؟ میں اگر کچھ کہوں گا تو اوروں کی طرح تم بھی ہنسو گے اور پھر اپنے راستے پر چل پڑو گے۔"

راجا نے اس سے کہا" نہیں، میں اوروں کی طرح نہیں ہوں۔ میں تمھاری مدد کروں گا۔" اس آدمی کو جب اس کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔

"میرا نام جسونت ہے۔ میں کالنگا کے راجا کا بیٹا ہوں۔ بچپن سے مجھے پوجا پاٹ کا شوق ہے۔ محل میں رہنا مجھے پسند نہ تھا۔ میں شروع ہی سے سادہ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ اسی لیے ایک دن کسی سے کچھ کہے بغیر میں نے محل چھوڑ دیا اور مقدس مقامات کی سیر کرنے نکل کھڑا ہوا۔ اسی دوران میں یہاں پہنچا۔ میں تھک چکا تھا۔ اس جھیل کو دیکھ کر میں رُک گیا۔ میں نے پیڑ کے نیچے تھوڑی دیر آرام کیا۔ جب میں اُٹھا تو میں نے دیکھا کہ جھیل کے بالکل بیچ میں ایک کنول کا پھول کھلا ہوا ہے۔ یہ پھول بہت ہی خوبصورت تھا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے خوبصورت پھول کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس پھول میں ایک ہزار پتّیاں تھیں اور ہر پتّی الگ الگ رنگ کی تھی۔ اُسے دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اُسے توڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ میں جیسے جیسے ہاتھ بڑھاتا رہا پھول بھی آگے بڑھتا رہا۔ میں نے اُسے توڑنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ شام ہوتے ہوتے یہ دُور ہو تا گیا۔ رات کو میں پیڑ پر سونے لگا۔ اس وقت سے میں برابر اس کی تلاش میں ہوں۔ ہر آٹھویں روز وہ پھول پانی کے اوپر کھلتا ہے۔"

راجا نے اس کی کہانی سنی اور اس سے کہا" تم مت گھبراؤ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں یہ پھول تمھیں لا دوں گا۔" وہ وہیں

رہا۔ آٹھویں روز کنول کا پھول پھر کھلا۔ راجا بھی اس پھول کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دعا کی اور ہمت کر کے جھیل میں کود پڑا۔ جھیل میں قدم رکھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک نئی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔ اس کے پاؤں پانی کی بجائے زمین کو چھونے لگے اور اس نے اپنے آپ کو ایک بہت ہی خوبصورت شہر میں پایا۔ سامنے ہی ایک بڑا شاندار محل تھا۔ راجا محل کے اندر گیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی ہر طرف سے خوشبو پھیلنے لگی۔ باغ میں ہر جگہ پھول ہی پھول کھل رہے تھے۔ وہاں ایک جھیل تھی اور اس جھیل میں اس قسم کے سیکڑوں کنول کھلے ہوئے تھے۔ یہ تمام کنول اسی طرح کے تھے جیسا راجا نے اس جھیل میں دیکھا تھا۔ ابھی راجا ان پھولوں کو دیکھ کر حیران ہی ہو رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے اُسے دیکھ لیا اور شور مچایا۔ ہر طرف سے راجا کو گھیرا جانے لگا۔ راجا کھڑا مسکراتا رہا۔ جیسے ہی یہ فوج راجا کو پکڑنے آئی راجا نے لڑنا شروع کر دیا اور سب کو ایک ایک کر کے ہرا دیا۔ یکایک ایک خوبصورت لڑکی چاروں طرف سے لڑکیوں سے گھری ہوئی بڑی شان سے آگے بڑھتی ہوئی آئی۔ اس نے کہا۔

"تم کون ہو؟ تمھارے پاس ایسی کون سی طاقت ہے کہ تم یہاں تک آگئے اور تم نے میری فوج کو بھی ہرا دیا۔"

راجا نے کہا "میں بھی کہیں کا راجا ہوں دوسروں کی مدد کرنا میرا دھرم ہے۔ جھیل کے کنارے ایک راج کمار بیٹھا ہوا ہے۔ وہ صرف اس لیے دُکھی ہے کہ اُسے وہ کنول نہیں مل سکا جو ہر آٹھویں روز جھیل میں کھلتا ہے۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے اور وہ اس پھول کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ مجھے آپ ایک کنول دے دیں تاکہ اس کا دُکھ دُور کر سکوں۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ اسے یہ پھول ضرور دوں گا۔"

راج کماری سوچتی رہی اور پھر بولی "یہ محل آپ ہی کا ہے۔ آپ کا جب جی چاہے آپ یہاں آئیں اور جو لے جانا چاہیں لے جائیں۔ یہ محل اور اس کی دولت اس کی ہے جو ہمت والا ہو اور یہاں تک پہنچ سکے۔" یہ کہہ کر راج کماری نے وہ پھول اسے دے دیا۔

راجہ نے پھر غوطہ لگایا اور وہ جھیل میں اوپر چلا آیا۔ سیڑھیوں پر راج کمار اس کا انتظار کر رہا تھا۔ راجا نے اُسے پورا قصہ سنایا۔ راج کمار نے قصہ سنا تو اُسے لالچ آگیا۔ اس نے کہا "میں نے تمھیں راستہ دکھایا ہے اور میری وجہ سے ہی وہ محل تمھیں ملا ہے۔ مجھے بھی اس میں سے حِصّہ دو۔"

"مجھے کسی دولت اور محل کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ سب کام تمھارے لیے ہی کیا تھا۔ اگر تم بھی اس کی دنیا میں داخل ہو سکو تو یہ سب کچھ تمھیں بھی مل سکتا ہے۔ ایک بہادر اور سچے آدمی کے لیے کوئی چیز بھی حاصل کرنا ناممکن اور مشکل نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر راجا گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے راستے پر چل دیا۔

(بھارت کی لوک کتھائیں، پہلا حِصّہ سے اُڑیسہ کی ایک لوک کتھا)

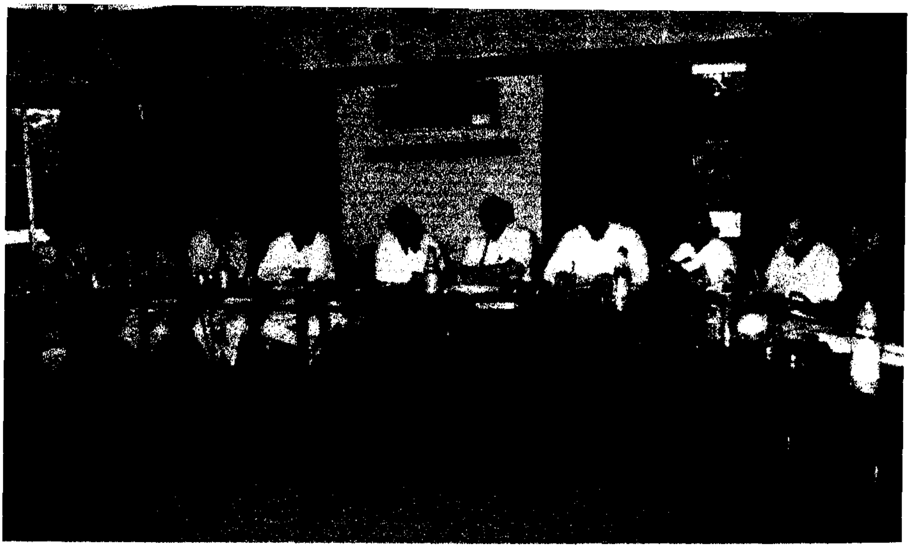

اردو پریس پروموشن کمیٹی کی میٹنگ جناب احمد سعید ملیح آبادی (مدیر، روزنامہ آزاد ہند، کولکاتا) کی صدارت میں 29/ مئی 2002 کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوئی۔
تصویر میں (بائیں سے) جناب من موہن شرما (رکن، قومی اردو کونسل)، جناب زاہد فاروق (روزنامہ پرتاپ)، جناب ماجد حسین (مدیر، ایکشن بھوپال)، جناب ایس. ایم. آصف (مدیر ان دنوں، دہلی)،
پروفیسر گوپی چند نارنگ، جناب احمد سعید ملیح آبادی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، جناب ایم. کے. ساٹھے (یو این آئی)، جناب نفیس احمد (اردو انچارج، یو این آئی) اور ڈاکٹر ابوالکلام (آر. اے. قومی اردو کونسل)

ڈاکومنٹیشن سینٹر کے قیام کے سلسلے میں ایک میٹنگ انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 29/ مئی 2002 کو منعقد ہوئی۔ تصویر میں (دائیں سے) جناب احمد سعید ملیح آبادی، جناب صوفی غلام محمد،
محترمہ تبسم نقی (اے. ای. او. قومی اردو کونسل)، جناب جمال عبدالواجد، جناب ضیاء الدین انصاری (خدا بخش لائبریری، پٹنہ)، جناب ابو سعد اصلاحی (رضا لائبریری، رام پور)،
جناب ایم. اے. پردھانی (لائبریرین، جامعہ ہمدرد)، جناب شاہنواز خرم (آر. اے.، قومی اردو کونسل)

RNI No. 70323/99 DL-15052/2002

URDU DUNIYA Monthly, July 2002 Vol. 4, Issue: 7

National Council for Promotion of Urdu Language

Department of Secondary and Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

محکمہ ثانوی و اعلیٰ تعلیم، وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

جنوبی ہند کی تاریخ

مصنف: کے اے نیل کنٹھ شاستری

مترجم: آر۔ کے۔ ...

جنوبی ہند کی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔

کتاب میں جنوبی ہند کی قدیم تاریخ سے ...

صدی کے ... تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(... ایڈیشن)

صفحات 576، قیمت 114

شعریات

ارسطو کی بوطیقا کا ترجمہ اور تعارف

شمس الرحمٰن فاروقی کے قلم سے

جو اردو ادب ... میں اس کتاب کی موجودگی

ضروری ہے

تیسرا ایڈیشن مع اضافہ جدید

صفحات 136، قیمت 62.00

اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

سید احتشام حسین

اردو ادب کی تمام اصناف کا مختصر مگر

جامع تعارف، تاریخی حوالوں کے ساتھ

طلبہ کے لیے خصوصی کارآمد

چوتھا ایڈیشن

صفحات 334، قیمت 70.00

اصول تعلیم اور عملِ تعلیم

مصنف: ... مترجم: ...

یہ کتاب زیر تربیت اساتذہ اور اساتذہ کے لیے ہے جو

نظری اور عملی تعلیم میں جدید ترین ترقیات سے ...

چاہتے ہیں۔ ...

...

... ایڈیشن، صفحات 336، قیمت 69 روپے

مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت، سیاست، پیغام

رشید الدین خاں

مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے علمی

اور عملی کارناموں کا مکمل تعارف

دوسرا ایڈیشن

صفحات: 336، قیمت: 76.00

خسرو شناسی

مرتبین: ظ انصاری، ابوالفیض سحر

حضرت امیر خسرو دہلوی کی سات سو سالہ تقریبات

کے موقع پر لکھے گئے اہم مضامین جو حضرت امیر خسرو کی

ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

تیسرا ایڈیشن

صفحات 368، قیمت 80 روپے

نوٹ:۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL. Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110066.

Editor Dr. M. Hamidullah Bhat, Tel : 6103381, 6103936